وعظ

تقویم الزیغ

(طریقۂ نجات)

یہ وعظ حضرت تھانویؒ نے ۲۹ شوال المکرّم ۱۳۲۹ھ بعد نماز عشاء کو ضلع ہردوئی انجمن میں ''انسدادِ بدعت والحاد'' کے عنوان پر ساڑھے تین گھنٹے کھڑے ہوکر ارشاد فرمایا' سامعین کی تعداد تقریبا ۹۰۰ تھی جن میں اکثر اہل علم تھے۔ مولانا سعید احمد تھانویؒ نے اسے قلمبند فرمایا۔

خطبۂ ماثورہ

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ ونستغفرہٗ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمدًا عبدہٗ ورسولہٗ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ الہ واصحابہ وبارک وسلم۔ اما بعد! فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم! فقدقال اللّٰہ تبارک و تعالی: ﴿ وَاَنَّ ھٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْہُ وَلَا تَتَّبِعُوْا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِکُمْ عَنْ سَبِیْلِہٖ﴾(۱)

یہ ایک آیت کا ٹکڑا ہے اس سے اوپر خدا تعالیٰ نے بعض احکامِ اعتقادیہ اور بعض احکامِ عملیہ بیان فرمائے ہیں ان کے بعد یہ جملہ ارشاد ہوا ہے۔ ترجمہ اس کا یہ ہے خدا تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ’’یہ میرا راستہ ہے جو سیدھا ہے اس کا اتباع کرو دوسرے طریقوں کا اتباع نہ کرو کہ وہ تم کو خدا کے رستے سے دور کردیں گے‘‘۔

تدبّر و تفکر کی ضرورت

اس ترجمہ سے واضح ہوگیا ہوگا کہ اس وقت کس مضمون کا بیان کرنا مقصود ہے اور یہ کہ یہ کوئی نیا مضمون نہیں بارہا کان اس سے آشنا ہوئے ہوں گے۔ اس پر ممکن ہے کہ کسی کو یہ شبہ پیدا ہو کہ جب یہ مضمون بارہا سنا ہوا ہے تو اس کے بیان کرنے کی کیا ضرورت ہے‘ اس کا جواب یہ ہے کہ سننا دوسری چیز ہے اور سمجھنا دوسری چیز ہے ہم نے سنا تو ہے مگر سمجھا نہیں‘ خدا تعالیٰ نے کہیں کہیں اس کی شکایت بھی کی ہے اس کو تدبر و تفکر کہتے ہیں۔ چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہے: ﴿وَلِیَتَذَکَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾(۲)

(۱) سورۃ الانعام: ۱۵۳ (۲) سورۃ صٓ: ۲۹۔

مسلمان تحصیل علوم وغیرہ کو ضروری سمجھتے ہیں اور وہ ہیں بھی ضروری لیکن ان کی جو اصل ہے جس کی یہ سب فرع ہیں اس کی ضرورت کا تصور بھی نہیں ہوا بلکہ اس حالت کا بھی تصور نہیں اور ترقی کر کے کہتا ہوں کہ ذرا التفات (۱) بھی نہیں ہوا الا ماشاء اللہ کہ بعض کو تو اس کا خیال ہے ورنہ علی العموم (۲) اس طرف سے بالکل بے پرواہی ہے اور وہ بات کچھ بہت لمبی چوڑی نہیں بہت چھوٹی سی بات ہے لیکن چھوٹی ظاہر ہی میں ہے ورنہ مثل قول نبی کریم ﷺ (كَلِمَتَانِ خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيْلَتَانِ فِي الْمِيْزَانِ)(۳) حقیقت میں وہ بات بہت بڑی ہے اور اسی کی بدولت کچھ حاصل ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم تدبر اور تفکر (۴) کیا کریں مسلمان اس سے کچھ ایسے غافل اور بے خبر ہیں کہ گویا انہوں نے اس کا سبق ہی نہیں پڑھا اور دوسروں کی کیا شکایت کروں خود اپنی ہی یہ حالت ہے کہ زبان پر لمبے چوڑے مضامین ہیں لیکن اپنی حالت میں تدبر اور تفکر نہیں اور جب میں اپنے کو مریض سمجھتا ہوں اپنی شکایت کرتا ہوں تو اگر سننے والوں کی بھی شکایت کروں تو کچھ بے موقع نہیں ہے ہاں اگر اپنا تبریہ (۵) کرتا تو سامعین کی تکدرِ خاطر (۶) کا ضرور خیال تھا غرض ہم مسلمانوں میں اس کی بہت کمی ہے ہم نے تدبر سے کام لینا بالکل چھوڑ دیا ہر شخص اپنے یوم ولیلہ (۷) کو دیکھ لے جن لوگوں کے اوقات کا کوئی انضباط (۸) ہی نہیں وہ تو شمار ہی (۹) سے خارج ہیں اور اکثر لوگ ہم میں ایسے ہی ہیں کہ صبح کا کام شام پر اور شام کا کام صبح پر ملتوی (۱۰) رکھنا معمولی بات ہے۔ میں نے ایسے افراد بھی دیکھے ہیں کہ انہوں نے ایک ایک خط کو صبح شام میں ہفتہ بھر تک ڈالے رکھا جیسے بعض حفاظ

(۱) ذرا سی توجہ بھی نہیں (۲) عام طور پر (۳) دو کلمے زبان پر ادائیگی کے لحاظ سے بہت ہلکے میزانِ عدل میں وزن کے اعتبار سے بہت بھاری (۴) سوچ بچار کیا کریں (۵) اپنا بری ہونا ثابت کرتا تو (۶) سننے والوں کے ناگوار ہونے کا خیال ہوتا (۷) اپنے رات دن کو دیکھ لے (۸) نظام الاوقات ہی نہیں (۹) وہ تو کسی گنتی ہی میں نہیں (۱۰) ڈالتے رہنا

کہا کرتے ہیں کہ ہم نے جب سے قرآن پڑھا ہے ایک ختم کی بھی نوبت نہیں آئی ایسے لوگ تو شمار ہی سے خارج ہیں۔ لیکن جن لوگوں کے اوقات منضبط ہیں وہ اپنے نظام الاوقات میں دیکھیں کہ پانچ منٹ بھی تدبر کے لئے انھوں نے رکھے ہیں؟ کہیں نام ونشان بھی نہ ہوگا' اکثر مسلمانوں کو اس کی طرف ذرا بھی توجہ نہیں خدا تعالیٰ اسی کو فرماتے ہیں ﴿كِتَابٌ اَنْزَلْنَاهُ اِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾(۱) دوسری جگہ فرماتے ہیں! ﴿اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا﴾(۲) کہ یہ لوگ قرآن میں غور ہی نہیں کرتے یا دلوں پر قفل لگ گئے ہیں کہ تدبیر کی قدرت ہی نہیں رہی۔

تدبر کا فائدہ

کیونکہ اگر تدبر کرتے تو یہ حالت ہرگز نہ رہتی تدبر کا خاصہ ہے کہ اس سے رحمت کے دروازے کھلتے چلے جاتے ہیں اور بغیر اس کے کچھ نہیں ہوتا چنانچہ فرماتے ہیں ﴿اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ﴾(۳) یعنی ''کیا ہم ان کو زبردستی اپنی رحمت چمٹادیں اگرچہ وہ کراہت کرتے ہوں'' سو اس کی ہم کو کیا ضرورت ہے؟ کیا ہمارے یہاں اس کے رکھنے کو جگہ نہیں؟ اگر ہزار بار چاہیں تو ہم بھی متوجہ ہوں گے اور تمہاری توجہ سے زیادہ متوجہ ہوں گے اور کام بھی ہماری توجہ سے چلتا ہے اس کی ایسی مثال ہے کہ کسی بچے کو آپ لینا چاہیں اور لینے کو ہاتھ بڑھائیں تو اگر بچہ اپنی بساط(۴) کے بموجب دوڑے اور کوشش کرے اگرچہ گر ہی جاوے تو آپ خود دوڑ کر اٹھا لیتے ہیں اور یہ مسافت آپ ہی کے بڑھ کر اٹھا لینے

(۱) ''یہ ایک بابرکت کتاب ہے جس کو ہم نے آپ پر اس واسطے نازل کیا ہے تا کہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں اور تا کہ اہلِ فہم نصیحت حاصل کریں'' سورۃ صٓ:۲۹ (۲) سورۃ محمد:۲۴ (۳) سورۃ ھود:۲۸ (۴) اپنی طاقت کے بقدر۔

سے طے ہوتی ہے ورنہ اس بچہ میں اتنی طاقت نہیں ہوتی کہ وہ خود اس مسافت کو طے کر سکے اسی طرح خدا تعالیٰ اپنے بندے کو اپنی طرف بلاتے ہیں اگر یہ بھی کچھ ہاتھ پیر ہلائے اور کوشش کرے تو اُس جانب سے جذب (١) ہوتا ہے اور اس جذب کی بدولت یہ وہاں تک پہنچتا ہے۔ اور یہ فرلانگ دو فرلانگ کی مسافت تو ممکن ہے کہ بچہ قطع کر لے برخلاف اس بُعد کے جو ممکن اور واجب (٢) میں ہے کہ اگر اُدھر سے جذب (٣) نہ ہو تو کبھی یہ مسافت طے ہی نہیں ہو سکتی۔ لیکن اُدھر سے جذب ہونا آپ کی طلب پر موقوف ہے جس کا افسوس ہے کہ آپ نے بالکل چھوڑ دیا ہے۔ وہ ہر وقت ہدایت دینے کو تیار ہیں مگر افسوس کہ ہم ہی قاصر ہیں اور وہ طلب یہی ہے کہ ہم تدبر کریں اور سوچ لیا کریں۔ اس سے خدا تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہوتا ہے۔

وعظ سننے کی اصل غرض

صاحبو! میں پھر کہتا ہوں کہ تدبر اور سوچ اگرچہ بظاہر بہت چھوٹی سی بات ہے لیکن ثمرہ (٤) کے اعتبار سے یہ بہت بڑی بات ہے اور اس کے ترک کر دینے سے ہم بہت خرابیوں میں مبتلا ہو گئے ہیں، اسی طرح یہ مضمون جو آج بیان کرنا مقصود ہے اس کو بھی آپ نے بہت دفعہ سنا ہو گا مگر کبھی اس میں غور کرنے اور سمجھنے کی نوبت نہیں آئی اس لئے آج سمجھانے کے لئے اس کو اختیار کیا گیا۔ میں مضمونِ آیت پر دوہرائے دیتا ہوں تاکہ وہ تازہ ہو جائے اور وعظ سے یہ ہی مقصود بھی ہوتا ہے کہ جو مضامین کانوں میں پڑے ہیں لیکن ان سے غفلت ہو گئی ہے وہ پھر تازہ ہو جائیں اور یہ ضروری نہیں کہ ہر وعظ میں کوئی نئی بات ہی بیان کی جاوے۔ اور

(١) اس کو کھینچ لیا جاتا ہے (٢) بخلاف اس دوری کے جو بندے اور خالق میں ہے (٣) اگر اللہ کی طرف سے کھینچنے کا عمل نہ ہو تو راستہ طے نہ ہو (٤) انجام کے اعتبار سے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا ہوگا کہ وعظ سننے سے اصل مقصود کیا ہونا چاہیئے کیونکہ آجکل وعظ سننے والوں کے مختلف مقاصد ہوا کرتے ہیں بعض لوگ تو اس لئے وعظ سننے آتے ہیں کہ واعظ کی تقریر کا اندازہ کریں کہ وہ کس قبیل (۱) کی ہے بیان مسلسل ہوتا ہے یا اُکھڑا اُکھڑا ہوتا ہے' مضامین کی آمد کا کیا حال ہے' بعض لوگ اس لئے سنتے ہیں کہ مضامین سنکر واعظ کے خیالات کا اندازہ کریں گے کہ یہ کس خیال کا آدمی ہے' بعض لوگ اس لئے آتے ہیں کہ اس کے بیان اور مضامین میں عیب نکالیں گے' بعض کی نیت اچھی بھی ہوتی ہے لیکن صرف یہ کہ مجلسِ وعظ میں شریک ہونے سے اتنا وقت ثواب کے کام میں گزرے گا یہ نیت اگرچہ مستحسن ہے لیکن کافی نہیں کیونکہ وعظ سننے سے یہ مقصود نہیں ہوتا ثواب تو نفلوں میں' تلاوتِ قرآن میں بھی بہت کچھ ملتا ہے وعظ سننے کی اصل غرض یہ ہے کہ وہ امراضِ باطنی جن پر ہماری نظر بھی نہیں جاتی ان کو سنیں اور ان پر ہم کو توجہ ہو پس اس غرض کو پیشِ نظر رکھ کر وعظ سننا چاہیئے۔

اللہ کے راستے کی پہچان

غرض خدا تعالیٰ اس مقام پر فرماتے ہیں: ﴿اَنَّ هٰـذَا صِـرَاطِـیْ مُسْتَـقِیْمًـا فَـاتَّبِـعُـوْهُ وَلَا تَتَّبِـعُـوا السُّبُـلَ فَتَـفَـرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ﴾(۲) "هٰـذَا صِـرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا" میں عامل اُشِیْرُ ہے جو کہ ہذا سے مفہوم ہے (۳) ترجمہ آیت کا یہ ہے کہ "میرے اس سیدھے راستے کا اتباع کرو اور دوسرے رستوں پر نہ ہولو کہ وہ تم کو خدا کے راستے سے جدا کردیں گے"۔ ترجمہ سے معلوم ہوا کہ رستے بہت ہیں جن میں ایک خدا کا بتلایا ہوا رستہ ہے اور دوسرے خود بندوں کے تراشے ہوئے ہیں۔

(۱) کس قسم کی ہے (۲) "یہ ہے میرا راستہ پس تم اس کا اتباع کرو اور دوسرے راستوں پر مت چلنا پس تم اس راستہ سے بھٹک جاؤ گے" (۳) ھـذا صـراطی مستقیما کی قید سے معلوم ہورہا ہے کہ راستے بہت ہیں لیکن یہ راستہ اللہ کا ہے۔

پس ان سب رستوں میں ایک تو اتباع کے قابل ہوگا باقی سب ترک کے قابل' لیکن یہ ضرور ہے کہ طریق الٰہی کو دوسرے طرق سے ممتاز اور جدا کرنے کے لئے کوئی معیار ہو جس سے ہم کو یہ بات معلوم ہو سکے کہ فلاں رستہ خدا تعالیٰ کا بتلایا ہوا اور قابل اتباع ہے اور اس کے سوا دوسرے قابلِ ترک' اگر غور کیا جائے تو اسی آیت کے پورے مضمون سے اس معیار کا پتہ چل جاوے گا اور معلوم ہو جاوے گا کہ اس معیار کو چھوڑ دینے ہی سے یہ ساری خرابیاں پیدا ہوئیں جن کی وجہ سے یہ حالت ہوگئی کہ بعض لوگوں کو یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ ہم نے طریقِ الٰہی کو چھوڑ دیا یا لئے ہوئے ہیں' چنانچہ اس جزوِ آیت سے اوپر کا جزو اس کے ساتھ ملایا جاوے تو اس سے معیار معلوم ہو جاوے گا فرماتے ہیں: ﴿قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَنْ لَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا﴾(۱) نبی کریم ﷺ کو خطاب ہے کہ آپ فرما دیجیے کہ آؤ میں تم کو احکامِ خداوندی بتلاؤں اور وہ فلاں فلاں ہے اس ارتباطِ باہمی سے اس بات کا فیصلہ ہوگیا کہ معیار طریقِ خداوندی کے دوسرے طرق سے ممتاز ہو جانے کا یہ ہے کہ جس بات کو نبی کریم ﷺ فرما دیں و پڑھ کر سنا دیں وہ طریقِ خداوندی ہوگا اور حضور ﷺ جو کچھ فرماویں وہ وحی ہوتا ہے۔ تو خلاصہ یہ نکلا کہ وحی سے جو ثابت ہو وہ طریق الٰہی ہے۔

صحیح طریقے کے امتیاز کا معیار

تو وحی معیار ہوئی مختلف طرق کے ممتاز کرنے کی اور اسی پر دار و مدار ہوا' اس مضمون کو بھی مسلمانوں نے بہت دفعہ سنا ہوگا لیکن برتاؤ اور مسلمانوں کے

(۱) '' آپ کہیئے کہ آؤ میں تم کو وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جن کو تمہارے رب نے تم پر حرام فرمایا ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت ٹھہراؤ اور ماں باپ کے ساتھ احسان کیا کرو'' سورۃ الانعام: ۱۵۱۔

حالات میں غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگوں کے قلب میں تو وحی کی مطلق عظمت ہی نہیں اور بعض کے دل میں وحی کی وقعت تو ہے لیکن اس کی حقیقت کو نہیں سمجھے۔ اس وقت مسلمانوں میں مختلف فرقے ہیں مگر سب میں مرض مشترک یہ ہے کہ وحی کو معیار نہیں سمجھتے۔

مسلمانوں میں مختلف فرقے

اور اس وجہ سے مناسب تھا کہ سب کو ایک ہی فرقہ کہا جاتا لیکن چونکہ انداز الگ الگ ہیں اس لئے سب کو ایک نہیں کہا جاسکتا اس کی ایسی مثال ہے کہ کسی بادشاہ کی عملداری میں مختلف طرح کے آدمی رہتے ہوں بعض تو ایسے ہوں کہ وہ قوانین کو تسلیم ہی نہ کرتے ہوں، بعض ایسے ہوں کہ قوانین کو تو تسلیم کریں لیکن ان قوانین کے صحیح فرض کو نہ سمجھتے ہوں تو یہ سب لوگ اس قدر مشترک (۱) میں تو شریک ہیں کہ معیارِ قانون پر نہیں چلتے لیکن چونکہ تسلیم اور عدمِ تسلیم (۲) کا فرق بھی ہے اس لئے دونوں کو الگ الگ شمار کیا جاوے گا اور برتاؤ بھی دونوں کے ساتھ مختلف ہوگا۔

حکایت

قانون غلط سمجھنے کے متعلق مجھے ایک حکایت یاد آئی اس سے انشاء اللہ یہ بات بخوبی سمجھ میں آجاوے گی کہ قانون کو تسلیم کرنے کے بعد بھی کیونکر اس کی حقیقت سمجھنے میں غلطی ہوتی ہے۔ ایک غیر ملک کے دیہاتی نے ریل کا سفر کیا اور قریب ایک من کا بورا اپنے ساتھ لیا اسٹیشن پر پہنچا تو ملازمین ریلوے نے ٹکٹ کے ساتھ اسباب کی بلٹی بھی طلب کی اس نے جب بجائے بلٹی کے اپنے ٹکٹ ہی کی

(۱) اس بات میں دونوں مشترک ہیں کہ دونوں قانون پر نہیں چلتے (۲) قانون ماننے اور نہ ماننے کا فرق ہے۔

طرف اشارہ کیا' ملازم ریلوے نے اس کو سمجھانے کے طور پر کہا کہ تمہارا اسباب چونکہ پندرہ سیر سے زیادہ ہے اور پندرہ سیر سے زیادہ اسباب محصول ادا کئے بغیر لیجانے کی قانون میں اجازت نہیں ہے اس لئے ایک بلٹی اس اسباب کی بھی ہونی چاہئے' یہ سن کر وہ دیہاتی کہتا ہے کہ پندرہ سیر سے یہ خاص وزن مراد نہیں بلکہ وہ مقدار جس کو ایک آدمی اٹھا سکے اور چونکہ ہندوستانی لوگ پندرہ سیر ہی اٹھا سکتے ہیں اس لئے یہ خاص وزن لکھدیا گیا ہے اور ہم ایک من اٹھا سکتے ہیں اس لئے ہمارے ایک من کے لئے وہی قانون ہوگا جو تمہارے پندرہ سیر کے لئے ہے۔

خیر یہ حکایت تو ایک لطیفہ ہے لیکن ہم کو اس سے سبق لینا چاہئے اور یہ دیکھنا چاہئے کہ کیا وہ ٹکٹ کلکٹر اس دیہاتی کے جواب کو سنکر اس کو معذور سمجھے گا یا اس کے لئے یہ ضروری ہوگا کہ وہ کتابِ قانون کی لاکر اس دیہاتی کے سامنے رکھدے اور اس کو قانون سمجھانے کی اور اس کے اشتباہ رفع کرنے کی کوشش کرے اور اگر وہ ہر شخص کے ساتھ ایسا کیا کرے تو کیا اپنے منصبی کام کو پورے طور پر انجام دے سکے گا کبھی نہیں' بلکہ یہ مشغلہ اس کو معطل کردے گا پس ان ساری دقتوں کو پیشِ نظر رکھ کر آپ بتلایئے کہ ٹکٹ کلکٹر کیا کرے گا؟ صرف یہ ہی کہ ہاتھ پکڑ کر اس کو پولیس کے حوالہ کردے گا۔

قانون کی غلط تفسیر

تو جیسا اس دیہاتی نے قانون کی غلط تفسیر کی تھی اسی طرح آجکل قرآن کی غلط تفسیر کی جاتی ہے اور زور دیکر کہا جاتا ہے کہ اس قانونِ قرآنی کا یہ ہی مطلب ہے حالانکہ نہ وہ مطلب حضور ﷺ نے سمجھا نہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے سمجھا نہ خدا تعالیٰ نے بتلایا۔

صاحبو! قرآن فہیم لوگوں کی نظروں میں اس قسم کی تفاسیر کی وقعت اس

سے زیادہ نہیں ہے جتنی وقعت اس دیہاتی کی تفسیر قانون کی تھی حالانکہ بظاہر اس کی یہ تفسیر اور تاویل جی کو لگتی ہے کہ اگر کوئی شخص قانون پر نظر نہ رکھتا ہو تو وہ اس کو سنکر یقین کرے کہ یہ ہی معنی اس قانون کے ہیں اور آپ کو یہ تفسیر منکر (۱) معلوم ہوتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ قانون مدت سے سنا ہوا ہے ورنہ جس نے کبھی اس قانون کو نہ سنا ہو اور وہ اس گفتگو کو سنے کہ ٹکٹ کلکٹر تو کہتا ہے قانون یوں ہے اور دیہاتی کہتا ہے کہ قانون کی لِم (۲) کیا ہے' کیوں یہ خاص وزن قانون میں رکھا گیا؟ ٹکٹ کلکٹر جواب دیتا ہے کہ ہم عالمِ قانون ہیں مجوّز (۳) قانون نہیں ہم نہیں جانتے کہ کیا لِم (۴) ہے اس پر دیہاتی کہتا ہے کہ تم اگرچہ نہیں جانتے لیکن میں جانتا ہوں لِم اس کی یہ ہے کہ پندرہ سیر سے زیادہ اکثر ہندوستانی اٹھا نہیں سکتے اور جب یہ لِم ہے تو جہاں یہ منتفی ہوگی قانون بھی منتفی (۵) ہوگا' تو اس دیہاتی کی آب و تاب (۶) کی تقریر اور ٹکٹ کلکٹر کا بظاہر عاجزانہ جواب اس کا یہ خیال قائم کرادے گا کہ قانون کی اصل حقیقت دیہاتی نے سمجھی اور ٹکٹ کلکٹر محض زبردستی کررہا ہے حالانکہ قانون دان آدمی جانتا ہے کہ قانون وہی ہے جو ٹکٹ کلکٹر کہہ رہا ہے اور اس لئے وہ ٹکٹ کلکٹر کی جملہ تجاویز کو جو اس دیہاتی کے متعلق ہوں بجا اور مناسب سمجھے گا۔

احکامِ الٰہی کی عظمت کا فقدان

یہ ہی حالت ان لوگوں کی ہے جنہوں نے بچپن سے کبھی شریعت کے احکام نہیں سنے اور ہوش سنبھال کر انہوں نے ایک عالم اور ایک جاہل کی گفتگو سنی کہ عالم کہتا ہے شریعت کا یہ قانون ہے اور جاہل اس کی لم (۷) دریافت کررہا ہے جس

(۱) ناپسندیدہ معلوم ہوتی ہے (۲) قانون بنانے کی وجہ کیا ہے (۳) قانون بنانے والے نہیں ہیں (۴) کیا وجہ ہے (۵) جہاں یہ وجہ نہ پائی جائے یہ قانون بھی لاگو نہیں ہوگا (۶) دیہاتی کی مدلل تقریر (۷) اس کی علت پوچھتا ہے۔

کے جواب میں عالم یہ کہکر ختم کر دیتا ہے کہ ہم عالم قانون ہیں واضع قانون نہیں لم (۱) اور مصلحت خدا تعالیٰ کو معلوم ہے جو کہ واضع قانون (۲) ہے ہم اس کے ذمہ دار نہیں اور وہ جاہل مدعی عقل کہتا کہ میں اس کی لم (۳) جانتا ہوں اور یہ کہہ کر احکام میں تحریف شروع کر دیتا ہے جس طرح اس دیہاتی نے قانون ریلوے میں تحریف کی تھی۔ تو صاحبو! کیا وجہ کہ اس گنوار کے قصہ میں تو اس کو ناحق پر اور ٹکٹ کلکٹر کو حق پر کہا گیا اور اس جاہل کی گفتگو میں علماء کے جواب کو زبردستی پر محمول کیا گیا اگر ان دونوں میں کوئی فرق ہے تو بتلائیے۔ البتہ یہ فرق ہے کہ احکام خداوندی کی عظمت دل میں نہیں اور گورنمنٹ کے احکام کی عظمت دل میں ہے۔ کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ جس کی عظمت دل میں ہوتی ہے اس کے احکام میں علتیں نہیں تلاش کی جاتیں بے چون و چرا تسلیم کر لیا جاتا ہے اور جس کی عظمت دل میں نہیں رہتی اس کی ہر بات میں لم اور کیف (۴) کیا جاتا ہے۔ چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ بعض مرتبہ کوئی ایسا حکم سرکار کی طرف سے آتا ہے کہ جس سے طبیعت منقبض ہوتی ہے عقل بھی اِبا (۵) کرتی ہے لیکن اس کو بلاتامل (۶) تسلیم کر لیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ جب گورنمنٹ نے یہ حکم دیا تو اس میں کوئی مصلحت ضرور ہوگی' اس طرح کے بہت سے احکام ہیں جن کی علت عوام کی سمجھ میں نہیں آتی لیکن ان کو مانا اور ان پر عمل کیا جاتا ہے۔ مثلاً اگر ایک روپیہ کا عدالتی ٹکٹ لفافہ پر لگا کر ڈاک میں بھیجد یا جاوے تو لفافہ بیرنگ ہو جائے اور ڈاک خانہ کا دو پیسہ کا ٹکٹ لگا دیں تو بیرنگ نہ ہو ہزاروں آدمی ہوں گے جو اس قانون کی لم (۷) نہیں جانتے لیکن اگر ان میں کا کوئی عدالتی ٹکٹ لگا کر بھیجے اور

---

(۱) اس کی وجہ اور علت اللہ کو معلوم ہے (۲) جو قانون بنانے والا ہے (۳) وجہ (۴) کیوں اور کیسے کے سوالات قائم کئے جاتے ہیں (۵) عقل بھی انکار کرتی ہے (۶) بغیر سوچے سمجھے مان لیا جاتا ہے (۷) وجہ۔

لفافہ بیرنگ ہوجاوے تو گورنمنٹ سے یہ نہیں پوچھا جاتا' نہ اس کی لم (۱) دریافت کی جاتی ہے کہ ایک روپیہ (عہ) میں لفافہ کیوں بیرنگ ہوا اور دو پیسہ میں کیوں بیرنگ نہیں ہوتا' غرض کبھی وسوسہ بھی نہیں آتا کہ اس کی مخالفت کی جائے یا علّت تلاش کی جائے برخلاف اس کے اگر ایک دوست کوئی حکم کرے یا کسی امر میں رائے دے تو اس میں صدہا عیب نکال دیتے ہیں وجہ اس کی یہی ہے کہ گورنمنٹ کی وقعت دل میں ہے اور دوست کی نہیں کیونکہ وہ آپ کی برابر کا ہے اور گورنمنٹ بالا دست ہے۔

صاحبو! ذرا غور کرو کہ خدا تعالیٰ کے احکام میں علت ڈھونڈھ کر آپ یہ ثابت کررہے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی عظمت آپ کے دلوں میں نہیں رہی اور اگر اس کے سوا کوئی دوسری وجہ ہے تو مجھے بتلایئے۔

احکامِ الٰہی کی علت معلوم نہ ہو پھر بھی تسلیم کرو

اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک شخص کے حکم یا رائے کو باوجود اس کے بالادست (۲) نہ ہونے اور ہمارے دل میں اس کی عظمت نہ ہونے کے بھی اس وجہ سے کہ ہم اس رائے کو اپنے لئے مفید سمجھتے ہیں تسلیم کرلیا جاتا ہے' مثلاً ایک شخص کسی طبیب کے پاس گیا اور جاکر مرض کی تشخیص کرائی اور نسخہ لکھوایا تو اس موقع پر آپ نے کسی کو نہ دیکھا ہوگا کہ اگر اجزاء نسخہ کی حکمت اور علت اس کی سمجھ میں نہ آئی ہو تو اس نے طبیب سے دریافت کیا ہو یا اس کے ساتھ الجھنے لگا ہو کہ یہ اوزان خاص کیوں رکھے گئے' واللہ کبھی اس کا وسوسہ بھی نہیں ہوتا اور اگر ہوتا ہے تو زبان سے کبھی نہیں کہتے کیونکہ جانتے ہیں کہ ہمارے ہی فائدہ کے لئے اس نے نسخہ تجویز کیا ہے ایسا نہ ہو چوں و چرا کرنے سے کبیدہ خاطر (۳) ہوکر ہم کو نکالدے اور کبھی نہ گھسنے دے۔

(۱) نہ اس کی وجہ معلوم کی جاتی ہے (۲) بلند مرتبہ (۳) اس کو دلی رنجش ہو اور ہمیں نکالدے۔

تو صاحبو! اگر احکام خداوندی کی قدر بھی دلوں میں نہ ہو تب بھی اس لئے ان کو تسلیم کرلو کہ وہ صرف تمہارے ہی فائدے کے لئے تجویز کئے ہیں ایسا نہ ہو تمہارے اعراض سے خدا تعالیٰ خفا ہوجائیں اور تم پر کوئی مصیبت آپڑے ۔

من نکرد م خلق تا سُودے کنم بلکہ تا بر بندگاں جُودے کنم (۱)

تو اگر احکامِ خداوندی کی وقعت گورنمنٹ کے احکام کے برابر نہیں ہے تو حکیم ہی کا سا برتاؤ کیا ہوتا اور جب یہ بھی نہیں تو معلوم ہوا کہ احکام خداوندی کی اتنی بھی قدر نہیں۔

احکامِ الٰہی کی علت دریافت کرنے کی وجوہ

البتہ حکیم کی تجاویز میں ایسے لوگ ضرور چھیڑ چھاڑ نکالا کرتے ہیں جن کو نسخہ پینا منظور نہ ہو بلکہ محض مشغلہ کے طور پر گئے ہوں تو میں لوگوں کے حالات دیکھتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ تر وہی لوگ احکامِ خداوندی میں لم کیف کرتے ہیں جن کو کچھ کرنا نہیں ہوتا اور جن کو عمل کرنا ہوتا ہے وہ اگر سوال کرتے ہیں تو یہ کہ نماز میں فرض کس قدر ہیں، واجب کتنے ہیں کیونکہ ان کو یہ فکر ہے کہ لاعلمی میں ہم سے کوئی ایسی حرکت نہ ہوجائے جس سے نماز ہی جاتی رہے ان کو لم کیف (۲) سے بالکل تعلق نہیں ہوتا۔ پس حجت تلاش کرنے کے دو سبب ہوئے ایک تو احکام کی وقعت نہ ہونا، دوسرے عمل کی نیت نہ ہونا اور علل تلاش کرنے والوں کے دلوں میں نہ وقعت ہے نہ عمل کی نیت ہے۔

(۱) میں نے بندوں کو اپنی خدمت کے لئے نہیں پیدا کیا بلکہ ان پر احسان کرنے کے لئے پیدا کیا ہے (۲) ان کو کیوں اور کیسے سے کوئی غرض نہیں۔

طریقِ نجات کا معیار

بہرحال مسلمانوں میں ایک ایسی جماعت ہے جو وحی کی عظمت اور قدر نہیں کرتے اور ایک ایسی جماعت ہے جو وحی پر نہیں چلتے ان دونوں کے لئے معیارِ وحی کی طرف متوجہ ہونا ضروری ہے بالجملہ جس طرح معاملات حُکام و رعایا میں معیارِ تعین و تصحیح کا قانون ہے اسی طرح طریق نجات کے لئے بھی معیارِ صحیح قانونِ الٰہی (۱) ہے جس کو وحی کہا جاتا ہے اور جس کی نسبت خدا تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿اُتْلُ مَا اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ﴾ (۲) کہ ''جو آپ پر وحی ہوا ہے اس کو پڑھئے''۔

صراطِ مستقیم کا مطلب

تو خلاصہ دونوں آیتوں کے ملانے سے یہ نکلا کہ جو وحی سے ثابت ہو وہ خدا تعالیٰ کا راستہ ہے اور ﴿ھٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا﴾ میں صراط کو جو اپنی طرف منسوب ومضاف فرمایا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ مجھ تک پہنچانے والا میرا بتلایا ہوا رستہ ہے اور ظاہر ہے کہ جو رستہ خدا تک پہنچانے والا ہوگا وہ مستقیم ہی ہوگا۔ مُسْتَقِیْمًا فرمایا اور مستقیم کے یہ معنی نہیں کہ کوئی خطِ مستقیم (۳) ہے نیز یہ بھی مقصود نہیں کہ خدا تعالیٰ کا بتلایا ہوا کوئی دوسرا غیر مستقیم (۴) رستہ بھی ہے جس سے احتراز کرنے کو اس کی صفت مستقیم لائے ہوں بلکہ خدا تعالیٰ کا ایک ہی رستہ بتلایا ہوا ہے جو کہ مستقیم ہی ہے تو آجکل چونکہ لوگوں نے اس طریق کو معیار نہیں بنایا اس لئے بہت سے فرقے

---

(۱) نجات کس راستے پر چلنے سے ہوگی اس کا معیار بھی قانون الٰہی ہے (۲) سورۃ العنکبوت: ۴۵ (۳) سیدھا خط (۴) ایسا راستہ جو سیدھا نہ ہو۔

ہو گئے اور یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ فرقوں سے مراد مسلمانوں کے فرقے ہیں کافروں کے نہیں تو بعض تو وہ ہوئے جنہوں نے وحی الٰہی کے ساتھ وہ معاملہ کیا جو اس دیہاتی نے کیا تھا کہ وحی کو وحی تو مانا مگر اس میں تغیر و تبدل کرنے لگے۔

سائنس اور قرآن

چنانچہ مسلمانوں کے ایک بڑے فرقے کی یہ کوشش ہے کہ قرآن شریف کی آیتوں کو جس طرح بن سکے سائنس پر منطبق کیا جائے اور ایسے لوگ علماء پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ لوگ لکیر کے فقیر ہیں۔ صاحبو! میں دعویٰ کرتا ہوں کہ سائنس کا کوئی حقیقی مسئلہ قرآن شریف کے خلاف ہو ہی نہیں سکتا اور حقیقی کی قید اس لئے لگائی ہے کہ سائنس کے مسائل دو قسم کے ہیں ایک وہ ہیں کہ محض تخمین (۱) سے ان میں کام لیا گیا ہے اور اکثر اسی قسم کے ہیں دوسرے وہ ہیں جو تحقیق سے ثابت ہوئے ہیں تو جو مسائل تحقیقی ہوں گے وہ کبھی قرآن شریف کے دعویٰ کے معارض (۲) نہیں ہوں گے۔ کیونکہ قطعی عقلی قطعی نقلی کے معارض (۳) نہیں ہوسکتا۔

سائنسی تحقیقات کا حال

صاحبو! آج کل تو تحقیق کا زمانہ ہے اور مسائل میں غور و فکر سے کام کیا جاتا ہے تو ذرا اس میں بھی تو غور کرو کہ اہلِ سائنس کے جتنے دعاوی ہیں سب صحیح بھی ہیں یا نہیں۔ مثلاً اہلِ سائنس کا دعویٰ ہے کہ آسمان کا وجود نہیں ستارے سب فضاء میں گھوم رہے ہیں تو دیکھو یہ مسئلہ ظنی ہے یا یقینی، تو سائنس کی رو سے آسمان کا

(۱) صرف اندازہ سے کام لیا ہے (۲) قرآن کے دعوے کے خلاف نہیں ہوں گے (۳) اس لئے کہ جو حکم عقل سے تحقیقی طور پر ثابت ہو وہ نقل یعنی قرآن کے خلاف نہیں ہوسکتا۔

عدم (۱) قطعی طور سے ثابت نہیں ہوسکتا' آج تک جتنی دلیلیں نفی آسمان پر قائم کی گئیں ان سب کا خلاصہ عدم العلم (۲) ہے جو کہ عدم الوجود کو مستلزم نہیں (۳) اور وجودِ آسمان دلیل قطعی (۴) سے ثابت ہے کیونکہ وجود آسمان فی نفسہ ممکن ہے یعنی آسمان کا وجود وعدم (۵) دونوں عقلا برابر ہیں اور یہ عقلی مقدمہ ہے کہ جس ممکن کے وجود کی خبر نہیں مخبر جو قطعاً صادق ہو جب اس کی خبر دیتا ہے تو اس ممکن کا وجود ثابت قطعی (۶) ہوتا ہے اور اس کے وجود کی خبر ایک مخبر صادق یعنی قرآن شریف نے دی ہے پس ان تینوں مقدموں سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہوگئی کہ آسمان موجود ہے اور آسمان کے ممکن الوجود ہونے کی بناء پر میں کہتا ہوں کہ جب یہ عقلاً ممکن ہے یعنی نہ واجب ہے اور نہ ممتنع پس نہ ضروری الوجود ہوا نہ ضروری العدم (۷) تو عقل اس کے وجود یا عدم کی بابت کوئی فیصلہ کر ہی نہیں سکتی زیادہ سے زیادہ اگر کہا جا سکتا ہے تو صرف اس قدر کہ ہم کو از روئے عقل وجود کا پتہ نہیں چلا اور معلوم ہے کہ عدمِ ثبوت اور ثبوت العدم (۸) میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ امریکہ کا وجود جس وقت تک ہم لوگوں کو ثابت نہ تھا اس وقت تک بھی ہم یوں نہیں کہہ سکتے تھے کہ امریکہ موجود نہیں' البتہ یہ کہا جا سکتا تھا کہ ہم کو وجود امریکہ کا علم نہیں ہے۔ پس اہلِ سائنس یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم کو آسمان کے وجود کا پتہ نہیں چلتا اور یہ ہم کو مضر (۹) نہیں کیونکہ ہم تقریر سابق سے ان کو وجودِ آسمان تسلیم کرادیں گے۔

---

(۱) آسمان کا موجود نہ ہونا یقینی طور سے ثابت نہیں (۲) علم نہ ہونا ہے (۳) کسی چیز کا علم نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس چیز کا وجود ہی نہیں ہے (۴) آسمان کا وجود پختہ دلیل سے ثابت ہے (۵) آسمان کا موجود ہونا اور نہ ہونا دونوں عقل کے اعتبار سے برابر ہیں (۶) جس چیز کے موجود ہونے نہ ہونے دونوں کا احتمال ہو پھر اس کے موجود ہونے کی کوئی سچی خبر دینے والا خبر دے تو اس کا وجود یقینی طور پر عقلا ثابت مانا جاتا ہے (۷) نہ اسکا ہونا ضروری نہ نہ ہونا ضروری (۸) کسی چیز کے ثابت نہ ہونے اور ثبوت کے انکار میں بہت فرق ہے (۹) نقصان دہ۔

آسمان کے عدمِ وجود پر فلاسفہ کے دلائل کا جواب

البتہ اس کے ضروری الوجود ہونے پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ اہل یونان نے وجود آسمان پر عقلی دلائل قائم کئے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ فلاسفہ یونان کے دلائل قریب قریب سب مخدوش (۱) ہیں جیسا کہ اہل علم پر مخفی (۲) نہیں واقعیت (۳) یہ ہی ہے کہ عقل سے نہ آسمان کا وجود ثابت ہوتا ہے نہ عدم (۴)۔ رہی یہ بات کہ علی العموم (۵) اس نیلگوں رنگ کو جو جانب فوق (۶) نظر آتا ہے آسمان سمجھا جاتا تھا اور آج یہ بات ثابت ہوگئی کہ یہ نیلگوں رنگ آسمان نہیں ہے اس کے جواب میں میں کہتا ہوں کہ اول تو جن دلائل سے یہ ثابت ہوا ہے وہ خود ابھی مخدوش (۷) ہیں اور بناء الفاسد علی الفاسد (۸) ہے۔ دوسرے اگر ثابت ہو بھی جائے کہ یہ رنگِ آسمان نہیں ہے تب بھی اس سے عدم وجود (۹) آسمان نہیں ثابت ہوتا، ممکن ہے کہ آسمان اس سے آگے ہو پس یہ کہنا کہ آسمان کا وجود جو کہ شریعت سے ثابت ہے دلائل سائنس سے متصادم (۱۰) ہے سخت غلطی ہے کیونکہ سائنس اس میں بالکل ساکت (۱۱) ہے اور قرآن شریف ناطق (۱۲)، اور تصادم و تعارض ناطقین میں ہوتا ہے ساکت وناطق میں نہیں ہوسکتا (۱۳) اور جب تعارض نہیں ہے تو سماء کی تفسیر کواکب یامافوقنا (۱۴) وغیرہ کرنے کی ضرورت نہیں اور

---

(۱) سب دلائل بیکار ہیں (۲) پوشیدہ (۳) حقیقت یہ ہے (۴) عقل سے نہ آسمان کا موجود ہونا ثابت ہوتا ہے نہ نہ موجود ہونا (۵) عام طور پر (۶) اوپر کی جانب (۷) ان دلائل ہی کا اعتبار نہیں (۸) اور یہ ایسی چیز پر بنیاد رکھنا ہے جو خود ثابت نہیں (۹) آسمان کا موجود نہ ہونا (۱۰) ٹکراتا ہے (۱۱) خاموش ہے (۱۲) قرآن پاک میں اس کا ذکر ہے اور وہ آسمان کے وجود کو ثابت کرتا ہے (۱۳) ٹکراؤ بولنے والوں میں ہوتا ہے ایک بولے دوسرا خاموش ہو تو ٹکراؤ نہیں ہوتا (۱۴) جب سائنس اور قرآن میں ٹکراؤ نہیں تو لفظ سماء کی تفسیر ستارے کرنا یا جو ہمارے اوپر ہے، کہنا درست نہیں۔

یہ تفسیر یقیناً تحریف ہوگی اور ایسے محرفین کی بابت یہ کہنا صحیح ہے کہ انہوں نے وحی کو معیار نہیں بنایا کیونکہ باوجود وحی کو ماننے کے اس کی حقیقت سمجھنے میں غلطی کی جس طرح اس دیہاتی کو کہا گیا تھا کہ اس نے قانون پر عمل نہیں کیا۔ایک صورت تو وحی کو معیار نہ بنانے کی یہ تھی۔

حدیث وفقہ بھی وحی کے حکم میں ہیں

ایک اور یہ صورت ہے کہ بعض لوگ وحی کو مانتے بھی ہیں اور اس کی حقیقت کو بھی کچھ سمجھتے ہیں لیکن اس کو قرآن شریف میں منحصر سمجھتے ہیں اور فقہ و حدیث کو وحی سے خارج کردیتے ہیں تو غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ یہ لوگ بھی وحی کو نہیں مانتے اور اس کو معیار نہیں سمجھتے وجہ یہ ہے کہ سب کو معلوم ہے کہ قانون کی شرح اگر مقنّن (۱) کردے تو وہ شرح بھی قانون ہی ہے یا اگر اصولِ اقلیدس سے اشکال جدیدہ بنائی جائیں تو ان اشکال کو بھی اقلیدس کی اشکال کہا جائے گا۔پس حدیث تو چونکہ وحی ہے اگرچہ غیر متلو(۲) ہے اس لئے وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے قرآن شریف کی شرح ہے اور اس لئے اس کا حکم بھی قرآن شریف کا سا ہے اور مسائل فقہ چونکہ انہیں اصول پر مبنی ہیں جو قرآن وحدیث میں ہیں اس لئے وہ بھی حکم میں وحی کے ہوں گے۔

---

(۱) قانون بنانے والا خود کردے (۲) حدیث ایسی وحی ہے جس کے الفاظ کی تلاوت قرآن کی طرح نہیں کی جاتی۔

فقہ اور حدیث قرآن کی تفسیر ہیں

تو وحی کبھی جلی ہوتی ہے کبھی خفی، خدا تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ﴾(۱) چنانچہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر آیت: ﴿اِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ﴾(۲) نازل ہوئی تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ سمجھا کہ شاید وساوس پر بھی گرفت ہو اس لئے بہت گھبرائے اُن کی گھبراہٹ پر دوسری آیت نازل ہوئی جس نے اس کی تفسیر کردی: ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾(۳) اس آیت نے بتلا دیا کہ وساوس پر جب تک کہ وہ وسوسہ کے درجے میں رہیں مؤاخذہ نہ ہوگا، نیز حدیث کے ذریعہ سے حضور ﷺ نے اس کی تفسیر فرمائی (اِنَّ اللّٰه تَجَاوَزَ عَنْ اُمَّتِیْ عَمَّا وَسْوَسَتْ صُدُوْرُهَا مَالَم تَعْمَلْ اَو تَتَكَلَّمْ اَوْ كَمَا قَالَ)(۴) پس حدیث قرآن شریف کی تفسیر ہے کوئی نئی چیز نہیں ہے اور بعض چیزیں چونکہ حدیث میں بھی مجمل رہ گئی تھیں مثلاً ربوٰا میں نبی کریم ﷺ نے یہ فرمایا کہ (مَثَلاً بِمَثَلٍ يَدًا بِيَدٍ وَالْفَضْلُ رِبوًا)(۵) اور دوسری جگہ فرمایا کہ (دَعُوالرِّبٰوا الرِّيْبَةِ)(۶) اس سے معلوم ہوا کہ ربوٰا حرام ہے اس کی جزئیات کا پتہ اس سے نہیں چلتا تھا ہمارے فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے مثلاً بمثل اور یداً بید سے سب جزئیات کو نکال دیا جن کو عوام الناس نہ سمجھ سکتے تھے اور اسی لئے علم اصول (۷) مدون کیا نیز یہ بھی کہدیا کہ (اَلْقِيَاسُ مُظْهِرٌ لَا مُثْبِتٌ)(۸) جس میں

(۱) ''پھر ہمارے ذمہ ہے اس کا بیان'' سورہ القیامہ: ۱۹ (۲) ''جو باتیں تمہارے نفسوں میں ہیں ان کو اگر تم ظاہر کروگے یا پوشیدہ رکھوگے حق تعالیٰ تم سے حساب لینگے'' سورۃ البقرہ: ۲۸۴ (۳) ''اللہ تعالیٰ کسی شخص کو مکلّف نہیں بناتا مگر اسی کا جو اس کی طاقت میں ہو'' سورۃ البقرہ: ۲۸۶ (۴) بیشک اللہ تعالیٰ میری امت کے دلوں میں پیدا ہونے والے وسوسوں پر مواخذہ نہیں فرماتے جب تک وہ ان پر عمل نہ کریں یا زبان سے ادا نہ کریں۔ یا جیسا حضورؐ نے فرمایا (۵) برابر سرابر اور ہاتھ در ہاتھ اور زیادتی اس میں سود ہے (۶) سود اور زیادتی کو چھوڑ دو (۷) علم اصولِ فقہ کی تدوین وترتیب کی گئی (۸) قیاس حکم کو ظاہر کرنے والا ہے ثابت کرنے والا نہیں۔

اس بات کا اقرار ہے کہ ہم نے کوئی نئی بات نہیں کہی جو کچھ کہا ہے حدیث و قرآن شریف ہی کی تفسیر ہے اسی طرح حضور ﷺ نے جا بجا یہ ارشاد فرمایا کہ جو کچھ آپ فرماتے ہیں وحی سے فرماتے ہیں کوئی بات وحی کے خلاف نہیں تو اس سے ان لوگوں کی غلطی معلوم ہوگئی جو حدیث یا فقہ کو نہیں مانتے اور محدثین اور فقہاء پر اعتراض کرتے ہیں۔ صاحبو! حدیث سے کیونکر استغنا ہوسکتا ہے فرمایئے کہ اگر حدیث کو نہ مانا جائے تو رکعات کی تعداد یا اوقاتِ نماز کی تعیین کس طرح معلوم ہوگی؟ اگرچہ اوقاتِ خمسہ کا ذکر قرآن شریف میں ہے لیکن وہ اس طرح ہے کہ جس کو پیشتر سے معلوم ہو وہ ان پر منطبق کرسکتا ہے ورنہ خود قرآن شریف سے بلا مددِ حدیث تعیین نہیں ہوسکتی کیونکہ قرآن شریف میں صراحۃً نہیں ہے اشارات ہیں اور تعدادِ رکعات کا اشارہ بھی نہیں۔

تفسیر بالرائے کی خرابی

اور یوں زمین کو آسمان مان لیا جائے تو اس کو ثبوت بالقرآن نہ کہا جائے گا۔ مثلاً ایک صاحب نے تعدادِ رکعات کو قرآن شریف کی اس آیت سے ثابت کیا:
﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ﴾(۱) اور کہا ہے کہ اس آیت سے نماز کا دو رکعت اور تین رکعت اور چار رکعت ہونا ثابت ہوتا ہے' صاحبو! کہاں فرشتوں کا ذکر! کہاں رکعات کی تعداد یہ سب نفس کا زیغ اور کید(۲) ہے۔ میں بہ قسم کہتا ہوں کہ نفس کا کید ایسی بلا(۳) ہے کہ بہت سی اصلاح کرنے سے بھی دفع(۴) نہیں ہوتا اور جس

(۱) ''تمام تر حمد اللہ کو لائق ہے جو آسمان اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے فرشتوں کو پیغام رساں بنانے والا ہے جن کے دو دو اور تین تین اور چار چار پر دار بازو ہیں'' سورۃ فاطر: ۱ (۲) نفس کی کج روی اور مکر ہے (۳) نفس کی مکاری ایسی مصیبت ہے (۴) دور۔

نے اصلاح ہی نہ کی اس کے کید کے دور ہونے یا سرے سے کید نہ ہونے کی تو کیا امید ہوسکتی ہے اور کید یہ ہے کہ نفس نے دیکھا کہ حدیث وفقہ میں احکام بکثرت ہیں اور ان سب پر عمل ہونا دشوار ہے اس لئے اس نے یہ ترکیب نکالی کہ ان سب کو چھوڑ و صرف قرآن شریف کو لو اور اپنی مرضی کے موافق تفسیر کرو کہ جس سے کچھ کرنا ہی نہ پڑے' میں کہا کرتا ہوں کہ اس زمانہ میں اعمال کیمیاوی کی بہت ترقی ہوئی کہ دین کا بھی ست نکل آیا۔ صاحبو! جس کو طلبِ شریعت ہوگی وہ کبھی ایسی ترکیبیں نہیں نکال سکتا۔ دیکھئے جس کو بھوک کی شدّت ہوتی ہے وہ زیادہ کا طالب ہوا کرتا ہے نہ یہ کہ موجود کو بھی اڑانے کی فکر کرے۔ شیخ سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ؎

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں　　بمیر د تشنہ مستسقی و دریا ہم چناں باقی (۱)

حقیقت میں جب طلب ہوتی ہے تو موجودہ ذخیرہ کو سن کر بھی تمنا ہوتی ہے کہ کچھ اور ہوتا اور جب طلب نہیں ہوتی تو سب میں اختصار کیا جاتا ہے۔

تفسیر قرآن میں تحریف

یہاں تک تفسیر بالرائے کی جاتی ہے کہ ایک صاحب نے حرمت ربٰوا ہی کا انکار کر دیا اور کہا کہ کلام مجید میں جو ربٰوا آیا ہے بضم الراء ہے جس کے معنی اُچک لینے کے ہیں۔ چونکہ اعراب حضور ﷺ کے زمانہ میں نہ تھے بعد کو لگائے گئے اس لئے غلطی ہوگئی اور بکسر الراء لکھدیا گیا۔

صاحبو! رُبا بضم الراء عربی کا لغت تو ہے نہیں جس کے معنی اُچک لینے کے ہوں البتہ فارسی میں ربودن کے معنی اچک لینے کے ہیں' پس کیا یہ لفظ فارسی کا

(۱) نہ حسن کی کوئی انتہا ہے اور نہ سعدی کے پاس اس کو بیان کرنے کے لئے الفاظ ہیں استسقاء کے مریض کو تشنگی ہی رہے گی اور دریا پھر بھی باقی رہ جائے گا۔

قرآن شریف میں داخل کردیا گیا۔ اور محرفین پر تو زیادہ افسوس نہیں کہ وہ تو اپنے مطلب کے لئے کرتے ہیں مگر افسوس ان پر ہے جو قرآن شریف کو مانتے ہیں اور پھر اس کی کوشش کرتے ہیں کہ سب احکام قرآن شریف سے ثابت ہوجائیں سچ ہے۔

دوستئی بے خرد چون دشمنی ست　　حق تعالیٰ ازیں چنیں خدمت غنی ست (۱)

واللہ اس وقت وہ حالت ہے کہ دیندار اور بے دین سب کی حالت خراب ہے وہ شعر یاد آتا ہے جو کسی نے حضور ﷺ میں عرض کیا ہے کہ۔

اے بسر پردۂ یثرب بخواب　　خیز کہ شد مشرق و مغرب خراب (۲)

سائنسی تحقیقات پر قرآنی آیات کا غلط انطباق

ایک صاحب مجھ سے ملے کہنے لگے کہ ڈاکٹری تحقیق سے یہ بات ثابت ہے کہ منی میں کچھ کیڑے ہوتے ہیں مجھے مدت سے خیال تھا کہ قرآن شریف کی آیت سے بھی یہ بات ثابت ہو تو اچھا ہے چنانچہ ایک روز میں قرآن شریف پڑھ رہا تھا اس میں یہ آیت نکلی: ﴿خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ﴾(۳) اور عَلق جونک کو کہتے ہیں مجھے بہت خوشی ہوئی۔ بھلا خیال تو فرمایئے کہ آیت کے یہ معنی ہیں؟ کہاں جونک کہاں کیڑے، کہاں ڈاکٹری کے مسائل کہاں قرآن شریف، اس کی بالکل ایسی مثال ہے کہ کوئی شخص فنِ طب کی کتابوں میں کپڑا بننے کی ترکیب تلاش کرنے لگے، یا فن طب میں حدیث ڈھونڈنے لگے چنانچہ ایک صاحب نے ایسا کیا بھی کہ میرے پاس طبِ اکبر یا میزان الطب (۴) لے کر آئے اور کہنے لگے کہ آپ رسم ''بسم اللہ''

(۱) بے وقوف کی دوستی بھی دشمنی ہے اللہ تعالیٰ ایسی خدمت سے بے نیاز ہے (۲) اے وہ ذات گرامی جو مدینہ منورہ میں محوخواب ہیں اٹھئے کہ مشرق و مغرب سب کا حال خراب ہے (۳) سورۃ العلق: ۲ (۴) طب کی دو کتابوں کے نام ہیں۔

کو منع لکھتے ہیں حالانکہ اس کتاب میں موجود ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت حسینؓ یا حسنؓ کا چار سال چار ماہ چار دن کی عمر میں مکتب کرایا اور لوگوں کو جمع کرایا۔

قرآن کریم طب روحانی اور تہذیب نفس کی کتاب ہے

صاحبو! جس فن کی کتاب ہو اس فن کے مسائل اس میں تلاش کرنے چاہئیں تو اب یہ دیکھ لیا جائے کہ قرآن شریف کس فن کی کتاب ہے قرآن شریف جغرافیہ نہیں کہ اس میں جغرافیہ کے مسائل ڈھونڈیئے، طب ادیان نہیں کہ بخار کھانسی کی ادویہ اس میں ملیں، قرآن شریف طبِ روحانی اور تہذیب نفس کی کتاب ہے تو جیسے طب ابدان میں زراعت اور صناعی کے مسائل نہ ملیں گے قرآن شریف میں بھی بجز طب روحانی (۱) کے دوسرے مسائل کی تلاش سعی (۲) بے حاصل ہے۔

قرآن میں سائنسی تحقیقات مذکور نہیں

اور اگر کسی دوسری چیز کا ذکر آیا بھی ہے تو وہ کسی روحانی مرض کے دفع کے لئے مثلاً منجملہ امراض روحانی کے ایک مرض جہل باللہ و بصفاتہٖ (۳) بھی تھا قرآن شریف نے اس کو دفع کیا اور اس ضرورت کے لئے یہ فرمایا کہ: ﴿اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّیْلِ وَالنَّھَارِ ﴾(۴) جس کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی ذات وصفات کو معلوم کرنے کے لئے مصنوعات میں غور کرو مثلاً آسمان کے وجود میں، زمین کے وجود میں، رات اور دن کے وجود میں، مگر نہ اس حیثیت سے کہ آسمان سیال (۵) ہے یا نہیں اور زمین کروی الشکل ہے یا مُسطّح (۶)

(۱) سوائے روحانی علاج کے (۲) کوشش بے کار ہے (۳) ایک مرض اللہ اور اس کی صفات سے ناواقفی بھی ہے (۴) ''بلاشبہ آسمانوں کے اور زمین کے بنانے میں اور یکے بعد دیگرے رات اور دن کے آنے جانے میں دلائل ہیں اہل عقل کے لئے'' سورۃ آلِ عمران: ۱۹۰ (۵) بہتے مادے سے بنا ہے یا ٹھوس (۶) زمین گول ہے یا ہموار

بلکہ مطلق موجود اور مصنوع (۱) ہونے کے اعتبار سے پس قرآن شریف میں ایک مسئلہ سائنس کا بحیثیت سائنس کے مذکور نہیں اور ہم اس پر فخر کرتے ہیں کیونکہ کسی طب کی کتاب میں جوتے بنانے کی ترکیب نہ ہونا اس کتاب کا کمال ہے۔

مسلمانو! خدا کی قسم یہ قرآن کا غایت درجہ کمال ہے کہ اس میں یہ خرافات نہیں ہیں نہ قرآن شریف کو اس کی ضرورت کہ زبردستی اس میں ان مسائل کو داخل کیا جائے ؏

بے نقّاش احتیاجے نیست دیوار گلستاں را (۲)

اگر قرآن شریف میں یہ خرافات ہوتے تو قرآن شریف کتاب الطبعیات ہوتی نہ کہ طبِ روحانی لہذا قرآن شریف سے کیڑوں وغیرہ کے وجود ثابت کرنے کی کوشش ؏ دوستی بے خرد چوں دشمنی ست ہے (۳)

سائنسی تحقیقات کو قرآن سے ثابت کرنے کا نقصان

میں کہتا ہوں کہ اگر علق کے یہی معنی ہیں جو کہ ان ڈاکٹر صاحب نے فرمائے تو کیا وجہ کہ اس کو نہ حضور ﷺ نے سمجھا نہ ابوبکرؓ سمجھے نہ دوسرے صحابہؓ اور تابعینؒ نے سمجھا چنانچہ کسی نے یہ تفسیر نہیں کی۔ اگر کہا جائے کہ آج مسئلے کی تحقیق ہوئی ہے اس سے پیشتر یہ محقق (۴) نہ تھا تو اس میں اول تو اپنے اسلاف کے کتنے بڑے جہل کا اقرار ہے دوسرے اگر کوئی ملحد تم سے کہے کہ تمہارا قرآن شریف نازل ہوا محمد ﷺ پر اور پڑھا تمام صحابہؓ اور تابعینؒ نے لیکن سمجھا ہم نے تو تم کیا جواب دو گے؟ اور اگر قرآن شریف ایسا ہی وسیع ہے کہ اس میں ہر چیز کو داخل کیا جاسکتا ہے تو پھر اپنے کو اور اپنے متعلقین کو بھی داخل کردو جیسے مشہور ہے کہ کسی گاؤں میں تین

(۱) قرآن میں زمین وآسمان کا ذکر صرف اس اعتبار سے ہے کہ اللہ ایسا قادر مطلق ہے کہ اس نے زمین و آسمان جیسی مخلوق پیدا فرمائی (۲) گلستان کی دیوار کو کسی نقاش کی حاجت نہیں (۳) بے وقوف کی دوستی بھی دشمنی ہے (۴) اس کی تحقیق نہیں ہوئی تھی۔

چوہدری تھے ایک کا نام ابراہیم تھا' دوسرے کا موسیٰ' تیسرے کا عیسیٰ' امام نے نماز میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ سورت پڑھی جس کے اخیر میں ہے صُحُفِ اِبْرَاهِيْمَ وَمُوْسٰى تو عیسیٰ چوہدری خفا ہوگیا۔ امام نے پھر وہی سورت پڑھی اور موسیٰ کے بعد عیسیٰ بھی بڑھا دیا۔

غلط استدلال

اسی طرح مجھ سے ایک مقام پر ایک ڈاکٹر ملے کہنے لگے کہ جدید تحقیقات سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ جس طرح حیوانات میں مذکر و مؤنث کا جوڑا ہوتا ہے اسی طرح نباتات کے تخم (۱) میں بھی ہوتا ہے کہ تخم کا ایک حصہ نر ہوتا ہے' دوسرا مادہ' مجھے خیال ہوا کہ قرآن شریف سے بھی یہ بات ثابت ہو تو بہت خوب ہو' ڈپٹی صاحب کا ترجمہ دیکھا اس میں بھی نہ ملا' آخر ایک روز بیوی سورۂ یٰسین پڑھ رہی تھی اس میں یہ جو آیت پڑھی: ﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْبِتُ الْاَرْضُ﴾ الآیۃ (۲) تو فوراً سمجھ میں آ گیا کہ اس آیت میں وہ مسئلہ مذکور ہے۔

صاحبو! یہ خبط نہیں تو کیا ہے اس آیت کو اس مسئلہ سے کیا تعلق زوج کے معنی خاص میاں بیوی کے نہیں ہیں بلکہ مطلق جوڑے کے معنی ہیں خواہ وہ مذکر و مؤنث کے طور پر ہو یا دوسرے طور پر' چنانچہ زوجی الخف (۳) بولتے ہیں۔ پس حق تعالیٰ نے اس میں یہ فرمایا ہے کہ نباتات میں بھی اقسام مختلفہ ہیں نہ یہ کہ ان میں میاں بی بی ہے۔ غرض بطور مثال کے یہ ایک مسئلہ پیش کر دیا گیا ہے اس کے علاوہ اور بہت مسائل ہیں جو کہ بالکل تخمینی ہیں اور وہ قرآن شریف سے کچھ تعلق

(۱) بیج میں (۲) ''وہ پاک ذات ہے جس نے تمام متقابل قسموں کو پیدا کیا نباتات زمین کے قبیل سے بھی'' سورۃ یٰسین:۳۶ (۳) موزے کا جوڑا۔

نہیں رکھتے اور میں کہتا ہوں کہ اگر ان مسائل سائنس پر قرآن شریف کی تفسیر کی بنا(۱) رکھی جائے اور چند روز کے بعد یہ دعاوی (۲) سائنس کے کاذب ثابت ہوں تو اس کی کیا تدبیر کی جائے گی کہ ملحدین اس وقت آپ کو کہیں کہ دیکھئے تمہارے محققین اس مسئلے کو قرآن شریف کا مدلول بتلاگئے ہیں اور یہ مسئلہ غلط ثابت ہوا تو قرآن شریف کا غلط ہونا ثابت ہوگیا اس کا کیا جواب دوگے؟

قرآن فہمی کا اصول

افسوس! ہمارے بھائی مسلمان ذرا غور نہیں کرتے کہ اس کا کیا انجام ہوگا اور بالکل نہیں سمجھتے اور نہ سمجھ سکتے ہیں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ سمجھنے کی دو ہی صورتیں ہوتی ہیں یا تو تحقیق ہو اس کا تو ان کے پاس سامان نہیں یا علماء کی تقلید ہو اس سے عار آتی ہے۔

قرآنی آیت سے غلط استدلال

اور بڑا لطف یہ ہے کہ قرآن شریف سے ثابت کرنے کی کوشش ہے مگر ثابت کرنے کا ڈھنگ بھی نہیں آتا۔ چنانچہ ایک صاحب نے اعتراض کیا کہ داڑھی رکھنے کا وجوب قرآن شریف سے ثابت نہیں تو دوسرے صاحب فرماتے ہیں کہ میں قرآن شریف سے ثابت کرتا ہوں دیکھئے قرآن میں ہے: ﴿قَالَ ابْنَ أُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِي وَلَا بِرَأْسِي﴾ (۳) تو اگر حضرت ہارون علیہ السلام کے داڑھی نہ تھی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کیسے اس کو پکڑ لیا اور ان کو لا تاخذ کہنے کی کیوں

(۱) بنیاد (۲) سائنس کے دعوے جھوٹے ثابت ہوں جیسے سائنس دان پہلے کہتے تھے زمین ساکن ہے اب جدید تحقیق میں کہتے ہیں زمین متحرک ہے پہلی تحقیق غلط تھی (۳) ''اے میرے ماں جائے تم میری داڑھی مت پکڑو اور نہ سر (کے بال) پکڑو'' سورۃ طہٰ:۹۴۔

ضرورت پڑی اس جواب کو سن کر معترض صاحب بھی خاموش ہوگئے۔ حالانکہ اس جواب سے صرف داڑھی کا وجود معلوم ہوتا ہے وجوب سے اس میں تعرض نہیں۔ اور جب دوسرے وقت ان مستدل صاحب سے ان کے وجوب کی حقیقت ظاہر کی گئی تو فرماتے ہیں کہ خیر اُس وقت تو معترض کو خاموش کر دیا۔ صاحبو! اہل علم کو تو اس قسم کے جوابوں سے عار آنی چاہیئے اور یہ خرابی اس کی ہے کہ اگرچہ نیت خراب نہیں لیکن چونکہ مجیب نے دیکھا کہ ہمارے زمانہ کے لوگ بغیر آیت قرآن شریف پیش کئے مانتے نہیں اس لئے سائل کے تابع ہوکر ہر جواب کو قرآن شریف سے ثابت کرنے لگے۔ حالانکہ اس کا کھلا نتیجہ تحریف ہے پس آج ہی سے کیوں تحقیقی جواب نہ دیا جائے اور سائل کی تبعیت چھوڑ دی جائے۔

شرعی احکام کے مستدلات

مثلاً داڑھی رکھانے کے متعلق میں تحقیقی جواب عرض کرتا ہوں' لیکن اول یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ جواب بالکل پھیکا اور سیدھا سادہ ہوگا کیونکہ تحقیقی بات ہمیشہ بے مزہ ہوتی ہے دیکھئے غالب اور مومن خاں کے اشعار میں کیا کچھ لطف آتا ہے اور حکیم محمود خاں کے نسخہ پر کسی کو وجد نہیں ہوتا۔ غرض وہ تحقیقی جواب یہ ہے کہ داڑھی رکھنے کے وجوب کا ثبوت قرآن شریف سے دینا ہمارے ذمہ نہیں ہے اور درحقیقت یہ سوال کہ قرآن شریف سے ثابت کرو متضمن ایک دعویٰ کو ہے کہ احکامِ شرعیہ کا ثابت ہونا قرآن شریف ہی میں منحصر ہے' تو اول سائل سے اس دعویٰ کی دلیل دریافت کی جائیگی جب وہ دعوی پر دلیل قائم کردے گا۔ اس وقت ہمارے ذمہ جواب ہوگا اور جب وہ جواب نہ دے سکے گا تو ہم ثابت کریں گے کہ اصول شریعت کے چار ہیں۔ قرآن شریف' حدیث' اجماع اور قیاس۔

پس جب کسی حکم کی بابت یہ کہا جاتا ہے فلاں حکم شریعت سے ثابت ہے اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ یہ حکم ان چاروں میں سے کسی ایک سے ثابت ہے' ہاں اگر کسی ایک سے بھی ثابت نہ کر سکے تو حکمِ شرعی کہنا غلط ہوگا' اس کی تائید کے لئے میں ایک قانونی نظیر بیان کرتا ہوں۔

ہر حکم کا ثبوت قرآن سے طلب کرنا غلطی ہے

فرض کیجئے کہ ایک شخص نے عدالت میں جا کر کسی دوسرے شخص پر دعویٰ کیا عدالت نے اس سے دعوی کے گواہ طلب کئے اور اس نے قانون کے موافق گواہ پیش کر دیے جن پر کسی قسم کی جرح نہیں ہو سکی' کیا اس کے بعد مدعا علیہ کو یہ حق ہے کہ وہ یوں کہہ سکے کہ میں ان گواہوں کی گواہی تسلیم نہیں کرتا' البتہ اگر جج صاحب خود اگر گواہی دیں تو میں تسلیم کروں گا۔ اور اگر کوئی مدعا علیہ ایسا کہے تو عدالت اس کو کیا جواب دے گی یہ ہی کہ ان گواہوں میں جرح کرو یا دعویٰ تسلیم کرو۔ وجہ اس جواب کی یہ ہے کہ اثباتِ دعوی کے لئے مطلق حجت کی ضرورت ہے۔ حجتِ خاص کی ضرورت نہیں ہے پس کسی کو یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ میں فلاں حکم قرآن شریف ہی سے مانوں گا۔ حدیث شریف یا اجماع وغیرہ سے تسلیم نہ کروں گا البتہ اگر کسی حدیث یا اجماع میں جرح کرے تو اس کا حق ہے اور علماء اس جرح کا جواب دینے کے ذمہ دار ہیں' یہ ہے تحقیقی جواب۔ لیکن ہمارے بھائیوں نے اس طرز کو بالکل چھوڑ دیا ہے اور بالکل معترضین کے تابع ہو گئے ہیں' لیکن کہاں تک ان کے تلووں کے نیچے ہاتھ دیں گے کبھی تو عاجز ہونا پڑے گا۔ بہتر یہ ہے کہ

بروئے خود در طماع باز نتواں کرد (۱)

(۱) اپنے چہرے کو ہوسناک لوگوں کے حوالے نہ کرو۔

حدیث وفقہ سے ثابت احکام کا حکم

ایسے ہوسناک لوگوں کا اول ہی علاج کرنا چاہیئے۔خوب سمجھ لو کہ قرآن ہی سے ہر بات کے ثابت کرنے کی کوشش کرنا سخت مشکل میں پڑنا ہے حدیث فقہ سب قرآن شریف ہی کے حکم میں ہے۔اس کی ایسی مثال ہے کہ حکیم علوی خاں کے مطب کو لے کر ایک شخص نے جمع کیا اور ہر نسخہ کے متعلق ضروری ہدایات لکھدیں کہ فلاں نسخہ غلبۂ صفراء کے لئے ہے اور فلاں نسخہ غلبۂ بلغم کے لئے اور دوسرے شخص نے ان سب نسخوں کی تبویب کردی کہ امراضِ راس (۱) کے نسخے الگ کردیئے اور امراضِ چشم (۲) کے الگ، تو اس مفسر اور مبوّب (۳) کو کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ حکیم علوی خاں کا مطلب نہیں ہے بلکہ یہی کہیں گے کہ (عِبَارَاتُنَا شَتّٰی وَحُسْنُكَ وَاحِدٌ) (۴) اور یہ کہا جائے گا کہ ؎

بہر رنگے کہ خواہی جامہ مے پوش   من اندازِ قدت را مے شناسم (۵)

ہاں اس پہچان کے لئے طلب شرط ہے اگر طلب ہی نہ ہو تو کچھ بھی نہیں ورنہ طالب کو حدیث فقہ سب میں قرآن شریف ہی نظر آئے گا۔صاحبو! یہ تفریق طلب نہ ہونے کا نتیجہ ہے طالب کی تو یہ شان ہوتی ہے کہ ؎

بسکہ در جانِ فگار و چشم بیدارم توئی   ہر کہ پیدا می شود از دور پندارم توئی

ایسا شخص حدیث واجماع کو ہرگز الگ نہ سمجھے گا۔

---

(۱) سر کے مرض کے نسخے (۲) آنکھ کے مرض کے نسخے (۳) اس تفسیر وتبویب کرنے والے کو (۴) عبارتیں الگ الگ ہیں مضمون ایک ہے (۵) تم جس رنگ کا لباس بھی زیب تن کر کے آؤ گے میں تمہارے قد سے تم کو پہچان لونگا۔

دو مرض عام ہیں

مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی سمجھ لینا چاہئیے کہ جس طرح محبوب کبھی غیر محبوب کے لباس میں بھی جلوہ گر ہوتا ہے اسی طرح کبھی غیر مطلوب بھی مطلوب کے لباس میں آجاتا ہے تو ان میں تمیز کرنی بھی نہایت ضروری ہے چنانچہ آجکل یہ مرض عام ہے کہ غیر محبوب کو محبوب سمجھ کر اس پر عاشق ہوگئے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو اتباع کا دعویٰ کرتے ہیں مگر اس حد سے آگے بڑھ گئے ہیں۔ تو گویا ایک جماعت نے اتباع کو ایسا چھوڑا کہ وہ الحاد تک پہنچ گئے۔ دوسرے فرقے نے اس شدت سے اتباع کیا دعوی کیا کہ بدعات میں مبتلا ہوگئے۔ یعنی ان کو اپنی رسوم میں بھی عبادات نظر آنے لگیں اور وہ رسوم اگرچہ جائز بھی ہوں لیکن ان کو عبادت سمجھنا سخت غلطی ہے کیونکہ عبادت وہ ہے جس پر ثواب کا وعدہ ہو اور ان رسوم میں ثواب کا وعدہ کسی حدیث یا آیت میں نہیں ہے غرض اس وقت یہ دو مرض کہ دلائل کو غیر دلائل سمجھنا جو کہ الحاد ہے اور غیر دلائل کو دلائل سمجھنا جو کہ بدعت ہے ہندوستان میں بکثرت ہے۔ امتِ محمدیہ ﷺ میں ذی اثر دو فرقے ہیں ایک امراء کا اور ایک عام فقراء کا۔ ان دونوں فرقوں کی حالت نہایت درجہ خراب ہے ان دونوں فرقوں کی بدولت بہت زیادہ الحاد اور بدعت دنیا میں پھیلا' امراء میں الحاد زیادہ پایا جاتا ہے اور فقراء میں بدعت زیادہ پائی جاتی ہے۔

علماء کا حال

اگرچہ ایک تیسرا فرقہ علماء کا بھی ہے' لیکن میں نے ان کو اس لئے اضلال(۱) سے خارج کیا ہے کہ جہاں تک دیکھا جاتا ہے علماء کا دوسروں پر اثر کم ہے(۲)۔ پس ان کی وجہ سے چنداں خرابی نہیں پڑسکتی اور جن علماء کا کم و بیش اثر ہے تو وہ ان کی بزرگی اور درویشیٔ خیال کی وجہ سے ہے صرف عالم ہونے کی وجہ سے کسی عالم کا کچھ اثر نہیں بلکہ جو صرف عالم سمجھے جاتے ہیں ان کی تو یہ حالت ہے کہ اگر عوام اہلِ دنیا ان کی توہین نہ کریں تو غنیمت ہے یا اگر کسی عالم کے باوجود بزرگ نہ سمجھے جانے کے عزت اور اثر ہو تو اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ دنیا کے اعتبار سے ذی جاہ ہوتا ہے اور علی العموم اہلِ جاہ کی طرف لوگ اپنے کو منسوب کرتے ہیں کیوں کہ کسی بڑے کی عظمت کرنا خود اپنی عظمت ہوتی ہے اس لئے کہ ان کے ساتھ منتسب ہونے سے اپنی بڑائی ہوتی ہے۔

غرض صرف عالم ہونے کی وجہ سے کسی عالم کا کچھ اثر نہیں یا فقیری کی وجہ سے ہے یا جاہ کی وجہ سے' اور بلفظ دیگر امیری کی وجہ سے' ورنہ اگر صرف عالم ہونے کی وجہ سے کسی عالم کا اثر ہوتا تو طلبہ کا بھی بہت اثر ہونا چاہئے تھا کہ وہ بھی تو عالم ہیں اور میں دوسروں کو کیا کہوں خود اپنے اندر بھی یہی حالت دیکھتا ہوں کہ طلبہ کی زیادہ وقعت نظر میں نہیں ہے اس سے معلوم ہوا کہ علماء کی من حیث العلم کچھ وقعت نہیں ہے۔

ایک رئیس صاحب کے ہاں ایک طالب علم کا کھانا مقرر تھا چونکہ اکثر اس

---

(۱) گمراہی (۲) اور اس سے یہ مسئلہ بھی حل ہو جائے گا کہ علماء جو کبھی چندہ وغیرہ کی ترغیب دیتے ہیں ان کے ترغیب دینے میں اُس قدر خرابیاں نہ ہوں گی جتنی اہلِ دنیا کے طلب چندہ میں خرابیاں واقع ہوتی ہیں۔ کیونکہ اہلِ دنیا کا ایک دوسرے پر اثر ہوتا ہے اور وہ دباؤ سے کام لے سکتے ہیں اور کام لیتے ہیں' بخلاف علماء کے کہ وہ دباؤ ڈال ہی نہیں سکتے۔

کو وہاں انتظار کرنا پڑتا تھا اس لئے اس کو خیال ہوا کہ اتنا وقت بیکار جاتا ہے اس میں اگر کچھ دین ہی کی خدمت ہو تو اچھا ہے۔ رئیس سے کہنے لگا کہ میں یہاں دیر تک بیٹھا رہتا ہوں اگر آپ کا لڑکا کچھ پڑھ ہی لیا کرے تو اچھا ہے۔ رئیس صاحب کہنے لگے کہ مولوی صاحب آپ نے عربی پڑھی تو یہ نتیجہ ہوا کہ میرے دروازہ پر کھانا لینے کے لئے آتے ہیں میرا لڑکا پڑھے گا تو کسی دوسرے کے دروازے پر جائے گا۔ اس حکایت سے آپ کو معلوم ہوگیا ہوگا کہ علماء کے ساتھ لوگوں کا کیا برتاؤ ہے اور علماء کا کتنا اثر ہے' اور جب علماء کا کچھ اثر نہیں تو ان کو ذی اثر لوگوں میں کیوں شمار کروں اور اپنی اس حالت کو سن کر علماء کو بھی سمجھ لینا چاہئیے کہ اب وہ کیا کریں اگر اب بھی ان کی سمجھ میں نہ آیا ہو تو سخت افسوس ہے۔

علماء کے کرنے کا کام

خیر میں بتلاتا ہوں کہ ان کو بالکل استغناء چاہئے۔ امام غزالیؒ نے لکھا ہے۔

اریٰ الملوك بادنی الدین قد قنعوا　　وما اراهم رضوا فی العیش بالدون

فاستغن بالدین عن دنیا الملوك كما　　استغنی الملوك بد نیا هم عن الدین (۱)

وہ دنیا کو لیکر تم سے مستغنی ہوگئے تم دین لیکر ان کی دنیا سے مستغنی ہو جاؤ میں خدا کے بھروسہ پر کہتا ہوں کہ اگر اہل علم دنیا سے مستغنی ہو جائیں تو خدا تعالیٰ ان کی غیب سے مدد کریں اور بلکہ خود یہی اہل دنیا جو آج کو ذلیل سمجھتے ہیں اس وقت ان کو معزز سمجھنے لگیں اور ان کے محتاج ہوں گے کیونکہ ہر مسلمان کو بحیثیت مسلمان ہونے کے جس طرح اپنی ضروریات کے لئے کم و بیش دنیا کی ضرورت

(۱) میں دنیا داروں کو دیکھتا ہوں کہ انہوں نے تھوڑے سے دین کو سیکھ کر اس پر قناعت کرلی اور میں نے ان کو دنیوی عیش وعشرت پر راضی ہوتے نہیں دیکھا پس تم دین حاصل کر کے بادشاہوں کی دنیا سے ایسے ہی مستغنی ہوجاؤ جیسے وہ دنیا حاصل کر کے دین سے مستغنی ہوگئے۔

ہے دین کی اس سے زیادہ ضرورت ہے خواہ وہ عالم ہو یا جاہل رئیس ہو یا غریب اور یہ ظاہر ہے کہ علماء کے پاس بقدر ضرورت دنیا موجود ہے اور اہل دنیا کے پاس دین کچھ بھی نہیں تو ان کو ہر ہر امر میں موت میں' حیات میں' نماز میں' روزے میں' سب میں علماء کی احتیاج ہوگی اور اگر کوئی کہے کہ مجھے دین کی ضرورت ہی نہیں تو وہ مسلمان ہی نہیں غرض ایک وقت ایسا آئیگا کہ اہل دنیا خود علماء کے پاس آئیں گے۔ پس علماء کو بالکل استغناء چاہیئے اور خدا تعالیٰ کے دین میں مشغول ہونا چاہیئے ہم لوگوں میں ایک بڑی کمی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا نہیں کرتے اگر خدا تعالیٰ سے ہم کو تعلق ہو تو کسی کی بھی پرواہ نہ رہے۔ البتہ میں علماء کو بداخلاقی کی اجازت نہیں دیتا کیونکہ بعض استغناء بداخلاقی کو سمجھتے ہیں' ہمارے حضرت حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکی نور اللہ مرقدہم امراء کی بہت خاطر داری کرتے تھے اور وجہ اس کی یہ فرماتے تھے کہو (نِعمَ الْاَمِیْرُ عَلٰی بَابِ الْفَقِیْرِ) یعنی "جو امیر فقیر کے دروازے پر جائے وہ بہت اچھا ہے" پس جب کوئی امیر آپ کے دروازے پر آیا تو اس میں امارات کے ساتھ ایک دوسری صفت بھی پیدا ہوگئی یعنی نِعْمَ کی پس اس صفت کی عظمت کرنی چاہیئے لہذا بداخلاقی کی اجازت نہیں۔ ہاں استغناء ضروری ہے' خیر یہ جملہ معترضہ تھا اصل مقصود اس مقام پر یہ تھا کہ علماء کی وقعت اور ان کا کچھ اثر نہیں کیونکہ جس کو دیکھئے علماء پر اعتراض کرنے اور ان کو مشورہ دینے کو آمادہ ہے۔

علماء پر اعتراض کی حقیقت

ایک صاحب ایک مرتبہ علماء پر نہایت برہم اور علماء کو برا بھلا کہہ رہے تھے کچھ دیر تک بوجہ اس کے کہ وہ مہمان تھے میں نے صبر کیا آخر جب وہ حد سے بہت آگے نکل گئے تو میں نے پوچھا کہ علماء نے کیا قصور کیا' کون سی ایسی خطا ان سے

ہوئی؟ کہنے لگے کہ علماء انگریزی پڑھنے کو منع کرتے ہیں اور قوم کے تنزل کا سبب یہ ہیں حالانکہ انگریزی کی بہت ضرورت ہے۔ میں نے کہا کہ اول تو یہ افتراء محض ہے علماء انگریزی پڑھنے کو منع نہیں کرتے' دوسرے قطع نظر انگریزی کے جواز اور عدم جواز کے آپ یہ بتلایئے کہ علماء کی ممانعت کا کچھ اثر ہے یا نہیں اگر کہئے اثر تو ہے میں کہوں گا کیا وجہ ہے علماء کے اثر نے قوم کے بچوں کو عربی پڑھنے پر کیوں نہ لگا دیا جب علماء ایسا نہیں کر سکے تو معلوم ہوا کہ علماء کا کچھ اثر قوم پر نہیں اور جب اثر نہیں تو علماء سے کچھ نقصان قوم کو نہیں پہنچا۔ اصل سبب قوم کے تنزل کا کوئی دوسرا امر ہے اور وہ یہ ہے کہ قوم علی العموم (۱) سست' کام چور' آرام طلب ہے جفاکشی تو ہو نہیں سکی اپنے چھٹکارے کے لئے مولویوں کے فتوے کو آڑ بنا لیا۔ صاحبو! کیا وجہ کہ تمام فتاویٰ میں سے علماء کا صرف یہ ہی ایک فتویٰ پسند ہوا کبھی دوسرے فتوؤں پر کیوں عمل نہ کیا گیا' وجہ یہ ہی ہے کہ یہ اپنی مرضی اور نفس کے موافق تھا۔ ایک شخص سے کسی نے پوچھا تھا کہ قرآن شریف کا کونسا حکم تم کو زیادہ پسند ہے کہنے لگا: ﴿كُلُوْا وَاشْرَبُوْا ﴾(۲) اور دعا کا پوچھا تو یہ بتلائی: ﴿رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ﴾(۳) کیا کوئی شخص اس کو عامل بالقرآن سمجھے گا ہرگز نہیں بلکہ تابع نفس ہوا کہیں گے۔ بس یہی حال آجکل علماء کی پیروی اور ان کے اتباع کا ہے کہ جس بات کو اپنی مرضی کے موافق دیکھتے ہیں اس میں علماء کو آڑ بنا لیتے ہیں۔

دو مؤثر طبقے

اس جملہ تقریر سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ اثر جو کچھ ہے امراء اور فقراء کا ہے اور جو کچھ خرابیاں پھیلیں انہیں دو فرقوں کی وجہ سے پھیلیں پھلا فرقہ الحاد میں مبتلا

(۱) عام طور پر (۲) کھاؤ پیو (۳) اے ہمارے رب! ہمارے لئے آسمان سے کھانے کا دسترخوان نازل فرما: سورۃ المائدۃ: ۱۱۴۔

ہے دوسرا فرقہ بدعات میں غرق ہے۔ پس اُس ملت کے مریضوں کا کیا آل(۱) ہوگا جس کے اطباء خود مریض ہیں۔ نیز علماء کے اس زمرہ سے خارج ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ اگر خود بگڑیں بھی اور اعمال کو ترک بھی کردیں تو اپنے کو گنہگار سمجھتے ہیں اور اپنے بُرے اعمال کی طرف کسی کو دعوت نہیں کرتے اور لوگوں کو اپنے اس طرز پر چلانے کی کوشش نہیں کرتے بلکہ دوسروں کو نیک ہی رستہ بتلادیں گے برخلاف امراء اور فقراء کے کہ ان کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ جس رستہ پر ہم ہیں دوسرے بھی اسی پر ہولیں اگرچہ ہم اور وہ دونوں جہنم کے غار میں جاگریں چنانچہ چند روز ہوئے کہ ایک روشن خیال نے یہ مضمون شائع کیا تھا کہ اسلام کی ترقی کو سب سے بڑی مانع (۲) نماز ہے اگر علماء مل کر نماز کو اسلام سے خارج کردیں تو اسلام کو بہت ترقی ہو۔

بعض علماء کا غلط طرزِ عمل

ہاں اتنا ضرور ہوا کہ بعض عالموں نے اپنا طرزِ عمل ایسا کردیا کہ اہلِ دنیا کو ان کی بدولت خود علم سے نفرت ہوگئی یعنی بعض علماء نے امراء سے ملنا اور اختلاط کرنا اس قدر بڑھا دیا اور اس اختلاط کی وجہ سے ان امراء کی ہاں میں ہاں ملانے لگے کہ ان کو دیکھ کر اہل دنیا نے یہ سمجھا کہ سب عالمِ ایسے ہی ہوتے ہوں گے۔

ٹونک کا واقعہ ہے کہ ایک رئیس نے داڑھی منڈا رکھی تھی ایک عالم نے ان پر اعتراض کیا اور وہ رئیس متاثر ہوا اتفاق سے مجمع میں ایک دوسرے صاحب بھی بیٹھے تھے اور یہ مولوی کہلاتے تھے آپ فرماتے ہیں کہ داڑھی ہرگز نہ رکھنی چاہئے

---

(۱) انجام (۲) سب سے بڑی رکاوٹ

کیونکہ اس میں جوئیں پڑ جاتی ہیں اور وہ زنا کرتی ہیں۔ فرمایئے کہ اس رئیس کی نظر میں کیا وقعت ان عالم کی رہی ہوگی؟ اور زیادہ مناسب ان صفات کا کمی خاندان ہوتا ہے

آج کل بعض علماء میں کم ہمتی کیوجہ

ایک شخص نے ڈھاکہ میں مجھ سے کہا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ انگریزی خواں طالب علم نہایت باہمت عالی حوصلہ جری جفاکش ہوتے ہیں' اور عربی خواں طالب علم نہایت پست ہمت تنگ خیال سست کم حوصلہ ہوتے ہیں' مقصود ان کا یہ تھا کہ یہ فرق عربی اور انگریزی کے اثر سے ہے یعنی پست ہمتی وغیرہ عربی کے آثار ہیں اور علو حوصلگی وغیرہ انگریزی کے آثار ہیں۔ میں نے کہا جناب علو حوصلگی وغیرہ جس قدر صفات ہیں یہ علو خاندان پر موقوف ہیں یعنی جو عالی خاندان ہوگا اس میں یہ صفات ہوں گے وہ خواہ عربی پڑھے یا انگریزی' اور جو عالی خاندان نہ ہوگا اس میں یہ صفات نہ ہوں گے وہ خواہ عربی پڑھے یا انگریزی' اگرچہ وہ انگریزی کے اعلیٰ پایہ کی ڈگری حاصل کرلے بلکہ اکثر واقعات اور مشاہدات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پست خاندان آدمی اگر عربی پڑھ لیں تو کم وبیش ان کے اخلاق درست ہوجاتے ہیں اور اگر انگریزی پڑھیں تو بالکل ہی برباد ہوجائیں۔ عربی انگریزی کے آثار کا پورا مقابلہ اس وقت ہوسکتا ہے کہ ایک خاندان کے ایک طبیعت کے دو بچے لئے جائیں ایک کو انگریزی شروع کرائی جائے اور دوسرے کو عربی' اور دس برس کے بعد دونوں کا موازنہ کیا جائے اور جبکہ خوش قسمتی سے انتخاب ہی ایسا پاکیزہ ہو کہ عربی کے لئے جولاہے' تیلی اور انگریزی کے لئے شرفاء' تو عربی کہاں تک اپنا اثر کرے اور کس حد تک ان کی پستی کو مٹائے اور شرفاء میں کوئی بچہ عربی کے لئے دیا بھی جاتا

ہے تو ایسا کہ جو بالکل ہی کودن (۱) ہو تو جب عربی میں سارے کودن ہی کودن منتخب ہونگے پھر ان سے علو حوصلگی کیا ہوگی؟

اہلِ علم میں استغناء ہوگا

اور میں نے ان سے کہا کہ آپ ہمراہ چلیئے تو میں آپ کو دکھلاؤں کہ علماء ایسے ہوتے ہیں۔ غرض ایسے علماء سے ایک یہ ضرر پہنچ سکتا اور میں تو ترقی کر کے کہتا ہوں کہ اگر اس پر بھی کسی کو علم کمال حاصل ہو تو وہ اس دناءت وخست (۲) سے ضرور دور ہوگا سو ایسے لوگوں کو جب غور سے دیکھا جائے گا تو معلوم ہوگا کہ یہ لوگ عالم ہی نہیں ہیں کیونکہ علم کمال ہے اور کمال کا خاصہ ہے استغناء' دیکھئے بڑھئی' راج' لوہار جب اپنے فن میں کامل ہوجاتے ہیں تو کیسے مستغنی (۳) ہوجاتے ہیں تو کیا علم ان ذلیل کاموں کے برابر بھی اثر نہیں رکھتا ضرور رکھتا ہے اور بالیقین (۴) کہا جاسکتا ہے کہ جس میں استغناء نہیں اس کے کمال ہی میں کمی ہے۔

علامہ تفتازانیؒ کا واقعہ لکھا ہے کہ جب امیر تیمور کے دربار میں آئے تو امیر تیمور بوجہ لنگ (۵) ہونے کے پیر پھیلائے بیٹھا تھا' آپ نے بھی بیٹھ کر پیر پھیلا دیا۔ امیر تیمور کو ناگوار ہوا اور کہا کہ ع معذورم دار کہ مرالنگ است (۶) علامہ فرماتے ہیں ع معذور دار کہ مرا ننگ است (۷) صاحبو! یہ ہے علم کا خاصہ۔

---

(۱) کند ذہن (۲) اس گھٹیا پن سے ضرور دور ہوگا (۳) بے نیاز (۴) پورے یقین سے کہا جاسکتا ہے (۵) لنگڑا ہونے کی وجہ سے (۶) پیر پھیلانے میں مجھے معذور سمجھو اس لئے کہ میرے پیر میں لنگڑا پن ہے (۷) علامہ نے جواب دیا ''مجھے بھی معذور سمجھو کہ مجھے عار آتی ہے کہ میں عالم ہوں تم میرے سامنے پیر پھیلا کر بیٹھو اور میں مؤدب''۔

جاہل واعظین

جن لوگوں کو آپ عالم کہتے ہیں یہ واعظ ہیں جنہوں نے چند اردو فارسی کے رسالے یاد کر لئے ہیں ان کو علم کی ہوا بھی نہیں لگی یہ لوگ اپنے کو علماء کے لباس میں ظاہر کرتے ہیں اور جہل کی یہ حالت ہوتی ہے کہ ایک واعظ صاحب نے سورۂ کوثر کا وعظ کہا اور ترجمہ پہلی آیت کا یہ کیا کہ اے محمد ﷺ ''ہم نے تجھ کو کوثر کے مثل دیا'' اس احمق سے کوئی پوچھے کہ کاف (۱) تو اعطینا کا مفعول ہے پھر مثل کس لفظ کا ترجمہ ہے؟

اسی طرح ایک واعظ گنگوہ میں آیا اور وعظ کہا جب جنت دوزخ کا تذکرہ آتا تو بجائے جہنم کے جہندم کہتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ظالم نے کہیں لکھا بھی نہیں دیکھا صرف کسی کی زبان سے سن لیا ہوگا۔ اس سے بھی زیادہ پر لطف یہ واقعہ ہے کہ سہارن پور میں ایک واعظ آیا جمعہ کی نماز کے بعد آپ نے پوچھا کہ ساہبو (صاحبو) یہاں اواج (وعظ) بھی ہوا کرے ہے؟ معلوم ہوا کہ نہیں ہوتا۔ آپ نے پکار دیا بھائیو! اواج (وعظ) ہوگی۔ لوگ ٹھہر گئے' منبر پر پہنچ کر یٰسین شریف کی غلط سلط آیتیں پڑھیں اور غلط سلط ترجمہ کر کے دعا مانگ کر کھڑا ہو گیا کوئی نابینا عالم موجود تھے' انہوں نے اُس کو بلا کر پوچھا تمہاری تحصیل (۲) کہاں تک ہے؟ تو آپ کیا فرماتے ہیں ہماری تسیل (تحصیل ہے) ہاپوڑ' پھر انہوں نے صاف کر کے پوچھا کہ تم نے پڑھا کیا کیا؟ تو آپ فرماتے ہیں ہم نے سب کچھ پڑھا ہے۔ نور نامہ' ساپن نامہ' دائی حلیمہ کا قصہ' معجزہ آل نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اور تو کیا جانے اندھے' یہ نمونہ ہے واعظ صاحب کی لیاقت کا لیکن پھر بھی ان لوگوں سے اتنا ضرر (۳) نہیں۔ ہوتا کیونکہ دیکھنے والے اور سننے والے ان کے جہل کے سبب پہلے ہی معتقد نہیں

(۱) لفظ ''اعطیناک'' میں حرف کاف (۲) تم نے کس درجہ تک علم حاصل کیا ہے (۳) نقصان۔

ہوتے' البتہ ان لوگوں سے گہرا ضرر پہنچتا ہے جن کی زرق برق تقریریں مہذب الفاظ' شستہ بندشیں مسلسل بیان معلوم ہوتا ہے کہ غزالیٔ وقت خطبہ دے رہے ہیں۔ یا رازیٔ زماں بول رہے ہیں مگر علم دیکھئے تو ہدایۃ النحو بھی شاید نہ پڑھی ہو۔ یہ لوگ ہیں جنہوں نے مسلمانوں کو تباہ کیا خود ڈوبے اور دوسروں کو بھی لے ڈوبے' غرض حقیقی علماء پر کسی قسم کا الزام اس بارے میں نہیں آسکتا۔

علماء کا اختلاف نقصان دہ نہیں

ایک شبہ شاید کسی کو پیدا ہو کہ علماء میں چونکہ آپس میں اختلاف ہے اختلاف کی وجہ سے لوگ گمراہی میں مبتلا ہوئے میں کہوں گا اگر اختلاف کی وجہ سے لوگ گمراہ ہوئے تو اس میں بھی انہیں کا قصور ہے اس لئے کہ اختلاف صرف طبقۂ علماء میں منحصر نہیں' دنیا میں شاید کوئی جماعت کوئی طبقہ ایسا ہو جس کے افراد متفق اللّسان ہوں(۱) مثلاً فنِ طب ڈاکٹری' صنّاعی' تجارت' غرض جس قدر بھی دنیا میں فنون ہیں سب میں اختلافات ہیں پس اگر کسی طبقے کا اختلاف عوام کے لئے ضرر رساں ہوسکتا ہے تو اطباء اور ڈاکٹروں کا اختلاف کیوں ان کے لئے مہلک نہیں ہوا وہاں کونسی تدبیر انہوں نے کی جس کی بدولت حکیم عبدالمجید اور حکیم عبدالعزیز کے اختلافات کے ضرر سے محفوظ رہے۔ تدبیر یہ کی کہ دونوں کو کسی معیار پر جانچ کر جس کو زیادہ کامل سمجھا اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور دوسرے کو چھوڑ دیا۔

صاحبو! کیا مستعار زندگی اور چند روزۂ آرام کے لئے تو اس تدبیر کی ضرورت ہے اور حیاتِ دائمی کے لئے اس تدبیر کی ضرورت نہیں۔ اگر نہیں معلوم ہوتی تو حیف(۲) ہے اس اسلام پر۔

(۱) ایک زبان ہوں (۲) افسوس ہے۔

علماء کی پرکھ کا معیار

اور اگر ضرورت ہے تو کیوں اس تدبیر پر عمل نہیں کیا جاتا اور اختلاف کے ضرر سے کیوں نہیں بچا جاتا اور جس طرح انتخابِ اطباء کے لئے مثلاً یہ معیار ہوگا کہ اس نے کسی بڑی جگہ پڑھا ہو سند حاصل کی ہو اس کے ہاتھ سے اکثر مریض اچھے ہوتے ہوں اس میں حرص و طمع نہ ہو بندۂ دنیاء نہ ہو مریضوں پر شفقت ہو تشخیص مرض میں پوری مہارت ہو۔ اسی طرح علماء میں بھی انتخاب اسی معیار سے ہوگا کہ جس کے ہاتھ سے اکثر لوگوں کو ہدایت ہوتی ہو طالبین پر شفقت کرتا ہو خود دنیا سے نفور (۱) ہو گناہوں سے بچتا ہو کسی بزرگ کی صحبت میں رہا ہو اس پر خشیت الٰہی غالب ہو۔ پس اس کے کہنے پر عمل کرو کیونکہ یہ تم کو جو کچھ بتلائے گا اس میں خدا کا خوف کرے گا اور گڑ بڑ کچھ کا کچھ نہ بتلائے گا۔ لیکن دوسروں کو بھی بُرا نہ کہو۔ بہرحال یہ خدشہ بھی جاتا رہا کہ علماء کے اختلاف سے لوگ گمراہ ہوئے۔

حضرت جنیدؒ کا مقامِ بلند

اب صرف دو فرقے ایسے رہ گئے کہ جن کی وجہ سے زیادہ تر گمراہی پھیلی ایک امراء اور دوسرے فقراء کہ ان میں اکثر گمراہ کن اور گمراہ ہیں (الا ماشاء اللہ) بعض ایسے بھی ہیں کہ ان کو ابراہیم بن ادہمؒ کہنا چاہئے اور جنید بغدادیؒ حضرت جنیدؒ کی یہ حالت تھی کہ ایک شخص آپ کا امتحان کرنے آیا اور دس برس تک آپ کے پاس رہا مگر معتقد نہ ہوا۔ ایک روز کہنے لگا کہ میں نے آپ کی بزرگی کی شہرت سنی تھی لیکن میں دس برس سے آپ کے پاس ہوں۔ اس مدت میں میں نے آپ کی کوئی

(۱) دنیا طلبی سے دور بھاگتا ہو۔

کرامت نہیں دیکھی آپ نے فرمایا کہ تو نے اس مدت میں جنید کو کسی گناہِ صغیرہ یا کبیرہ میں مبتلا دیکھا؟ اس نے جواب دیا کہ گناہ تو کوئی نہیں دیکھا۔ آپ نے فرمایا کہ جنید کی یہ کچھ چھوٹی کرامت ہے کہ دس برس تک اُس سے خدا کی مرضی کے خلاف نہ ہو؟ علی ہذا (۱) ایک دوسرا واقع اِن کا مشہور ہے کہ ان کے زمانہ میں چند مدعیان تصوف کا یہ قول آپ کے پاس پہنچا کہ وہ کہتے ہیں (نَحْنُ وَصَلْنَا وَلَا حَاجَةً لَنَا اِلَى الصِّيَامِ وَالصَّلٰوةِ) (۲) آپ نے سن کر فرمایا (صَدَقُوْا فِی الْوُصُوْلِ وَلٰكِنْ اِلٰى سَقَرَ) (۳) اور پھر فرمایا کہ اگر میں ہزار برس زندہ رہوں تو نفل عبادت بھی بدوں عذرِ شرعی ترک نہ کروں' تو فقراء میں بعضے ایسے بھی ہیں کہ وہ جنید بغدادیؒ کے مثل ہیں' اور امراء میں بھی بعض حضرات ابراہیم بن ادہمؒ کی طرح ہیں' لیکن کثرت سے ایسے ہی ہیں جن میں الحاد اور بدعت کا زور ہے ایک جماعت کو تو مثالوں میں مَیں بیان کر چکا ہوں۔

وہابی کون؟

دوسری اہل بدعت کی وہ جماعت ہے جو ہم لوگوں کو وہابی کہتی ہے لیکن ہماری سمجھ میں آج تک یہ بات نہ آئی کہ ہم کو کس مناسبت سے وہابی کہا گیا کیونکہ وہابی وہ لوگ جو کہ ابن عبدالوہاب کی اولاد میں ہیں یا اس کے متبع ہیں۔ ابن عبدالوہاب کے حالات مدوّن ہیں ہر شخص ان کو دیکھ کر معلوم کرسکتا ہے کہ وہ نہ اتباع کی رو (۴) سے ہمارے بزرگوں میں ہیں نہ نسبت کے رو سے۔

(۱) اسی طرح (۲) ہم پہنچے ہوئے لوگ ہیں ہمیں نماز روزہ کی کوئی ضرورت نہیں (۳) اس بات میں وہ سچے ہیں کہ پہنچے ہوئے ہیں لیکن جہنم میں پہنچے ہوئے ہیں (۴) نہ اتباع کے اعتبار سے نہ نسبت کے اعتبار سے ہمارے بزرگوں میں ہیں۔

البتہ آج کل جن لوگوں نے تقلید کو ترک کردیا ہے ان کو ایک اعتبار سے وہابی کہنا درست ہوسکتا ہے کیونکہ کہ ان کے اکثر خیالات ابن عبدالوہاب سے ملتے جلتے ہیں۔

ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کا اتباع واجب ہے

البتہ ہم لوگوں کو حنفی کہنا چاہیئے کیونکہ یہ معلوم ہو چکا ہے کہ اصول چار ہیں۔ (۱) کتاب اللہ (۲) حدیث الرسول (۳) اجماعِ امت (۴) قیاسِ مجتہد۔ ان چار کے سوا اور کوئی اصل نہیں اور مجتہد اگرچہ متعدد ہیں لیکن اجماعِ امت سے یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ ائمہ اربعہ (یعنی امام ابوحنیفہؒ امام شافعیؒ امام احمد بن حنبلؒ اور امام مالک بن انسؒ) کے مذہب کے باہر ہونا جائز نہیں نیز یہ بھی ثابت ہے کہ ان چاروں میں سے جس ملک میں جس کا مذہب رائج ہو اس کا اتباع کرنا چاہیئے۔ تو چونکہ ہندوستان میں امام ابوحنیفہؒ کا مذہب رائج ہے اس لئے ہم انہیں کا اتباع کرتے ہیں۔ ہم لوگ وہابی کے لقب سے بُرا نہیں مانتے لیکن اتنا ضرور کہے دیتے ہیں کہ قیامت میں اس بہتان کی باز پرس ضرور ہوگی۔ میں بدعت کی جزئیات بھی بتلاتا لیکن اول تو علماء نے پوری طرح رسائل کے ذریعہ سے بتلادیا ہے‘ دوسرے وقت میں گنجائش نہیں۔

بدعت کی پہچان

البتہ ایک پہچان بدعت کی بتلائے دیتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ جو بات قرآن‘ حدیث‘ اجماع‘ قیاس چاروں میں سے کسی ایک سے بھی نہ ثابت ہو اور اس کو دین سمجھ کر کیا جائے وہ بدعت ہے اس پہچان کے بعد دیکھ لیجئے کہ ہمارے

بھائیوں کے جو اعمال ہیں مثلاً عرس کرنا، فاتحہ دلانا، تخصیص (۱) اور تعیین کو ضرور سمجھ کر ایصالِ ثواب کرنا وغیرہ وغیرہ جتنے اعمال ہیں کسی اصل سے ثابت ہیں اور ان کو دین سمجھ کر کیا جاتا ہے یا نہیں؟ اور اگرچہ خواص کا عقیدہ ان مسائل میں خراب نہیں، لیکن یہ فقہ حنفیہؒ کا مسئلہ ہے کہ خواص کے جس مستحسن امر (۲) سے جبکہ وہ مطلوب عندالشرع (۳) نہ ہو عوام میں خرابی پھیلے، خواص کو چاہیئے کہ اس امر کو ترک کر دیں۔ ہاں اگر وہ امر مطلوب عندالشرع ہو (۴) اور اس میں کچھ منکرات (۵) مل گئے ہوں تو منکرات کو مٹانے کی کوشش کریں گے اور اس امر کو نہ چھوڑیں گے مثلاً اگر جنازے کے ساتھ منکرات بھی ہوں تو مشایعت (۶) جنازے کو ترک نہ کریں گے کیونکہ مشایعت جنازہ کی مطلوب عندالشرع ہے (۷)۔

مروجہ طریقہ پر ایصال ثواب کی بُرائی

پس ایصالِ ثواب میں دو امر ہیں ایک تعیّن وقت دوسرا ایصالِ ثواب (۸) اور ان میں سے تعین وقت مطلوب عندالشرع (۹) نہیں اگرچہ مباح (۱۰) ہے اور چونکہ تعین سے عوام میں خرابی پھیلتی ہے اس لئے ہم تعین کو ترک کر دیں گے البتہ اگر ساری امت کا یہ عقیدہ ہو جائے کہ وہ تعین کو ضروری نہ سمجھے تو ہم خواص کو بلکہ سب کو تعین کی اجازت دیدیں گے لیکن حالت موجودہ میں (جبکہ اکثروں کا یہ خیال ہے کہ خاص تاریخوں میں ثواب پہنچانے سے زیادہ قبولیت ہوتی ہے اور یہ

---

(۱) فاتحہ وغیرہ کے لئے دن کا متعین کرنا اور خاص کرنا (۲) اچھے کام سے (۳) جبکہ وہ شریعت میں مطلوب نہ ہو (۴) شریعت میں وہ حکم مطلوب ہو (۵) ناپسندیدہ باتیں شامل ہوگئی ہوں (۶) جنازے کے ساتھ چلنے کو نہیں چھوڑیں گے (۷) کیونکہ جنازے کے ساتھ چلنا شریعت میں مطلوب ہے (۸) ایک وقت متعین کرنا دوسرے ثواب پہنچانا (۹) وقت کا مقرر کرنا شریعت میں مطلوب نہیں (۱۰) اگرچہ جائز ہے۔

خلافِ شریعت ہے) کیسے اجازت دیدی جائے۔ ایک شخص نے مجھ سے کہا گیارہویں اٹھارہ تاریخ تک ہوسکتی ہے۔ پھر نہیں ہوسکتی ایک وعظ میں میں نے ان رسوم کا بیان کیا بعد وعظ کے ایک صاحب کہنے لگے کہ علماء کو ایسے مضامین بیان نہ کرنا چاہئیں کہ تفریق امت ہوتی ہے۔ میں نے کہا ہمارا بیان کرنا تو آپ کے عمل کرنے پر موقوف ہے جیسے لوگوں کے اعمال اور حالات ہوں گے ویسا ہم بیان کریں گے۔ اگر لوگ ان اعمال کو چھوڑ دیں تو ہم بھی اس قسم کے بیان کو چھوڑ دیں گے تو تفریق کا الزام ان اعمال کے ارتکاب کرنے والوں پر ہے نہ کہ ہم پر۔

غرض یہ امور مطلوب عندالشرع نہیں اوران سے خرابیاں بہت کچھ پھیل رہی ہیں۔ اس لئے ان کو ترک کر دینا چاہئیے۔ ایک تو تخصیص اور تعیین قابل ترک ہے۔

ایصالِ ثواب میں کھانے پر سورتیں پڑھنا

دوسرے جو ہیئت ایصال ثواب کی اختراع کر رکھی ہے وہ قابل ترک ہے مجھ سے ایک دیہاتی کہنے لگا کہ اگر ایصال ثواب کے وقت کھانے پر چند سورتیں پڑھ لی جائیں تو حرج ہی کیا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ جس مصلحت سے کھانے پر سورتیں پڑھی جاتیں ہیں کبھی روپے پر یا کپڑے پر کیوں نہیں پڑھی جاتیں۔ اور ایک نیت میں اصلاح کرنی ضروری ہے کیونکہ اکثر نیت یہ ہوتی ہے کہ ہم ان کو ثواب پہنچائیں گے تو ان سے ہمارے دنیا کے کام نکلیں گے تو صاحبو! قطع نظر فسادِ اعتقاد(۱) کے اس کی ایسی مثال ہے کہ آپ کسی شخص کے پاس ہدیۃً مٹھائی لیجائیں اور پیش کرنے کے بعد اُس شخص سے کہیں کہ آپ میرے مقدمے میں گواہی دیدیں۔

---

(۱) عقیدہ کی خرابی۔

اندازہ کیجئے کہ یہ شخص کس قدر کبیدہ(۱) ہوگا اور اس سے اس کو کیسی اذیت ہوگی پس جب اہلِ دنیا کو اذیت ہوتی ہے تو اہل اللہ کو تو اس سے زیادہ اذیت ہوگی۔ پھر خصوصاً وفات کے بعد کیونکہ وفات کے بعد لطافت زیادہ بڑھ جاتی ہے کیونکہ یہ قفس عنصری (۲) ٹوٹ جاتا ہے اور صرف روح ہی روح رہ جاتی ہے اور اس کا ادراک کامل ہوجاتا ہے پس جس وقت ان کو یہ معلوم ہوتا ہوگا کہ یہ ہدیہ اس غرض سے پیش کیا گیا ہے کس قدر ناگواری ہوتی ہوگی اس کے ماسوا کس قدر شرم کی بات ہے کہ اہل اللہ سے دنیا کے لئے تعلق اور محبت ہو۔

ایصالِ ثواب ممنوع نہیں مروجہ طریق ممنوع ہے

صاحبو! ان کے پاس دنیا کہاں ہے ان سے دنیا کی امید رکھنی بالکل ایسی بات ہے جیسے کسی سنار سے کھرپا بنانے کی امید رکھنی یا کسی حکیم سے یہ فرمائش کرنی کہ تم چل کر ہمارے گھر کی گھاس کھودو، صاحبو! ہم کو حضرت سید غوث الاعظم رحمہ اللہ سے جو محبت ہے تو اس لئے کہ انہوں ہم کو راہِ ہدایت دکھلائی اس کے مکافات میں ہم ان کو کچھ ثواب بخشدیں کہ ان کی روح خوش ہو اور اس کے خوش ہونے سے خدا تعالیٰ خوش ہوں۔ اور اس تقریر سے یہ بھی معلوم ہوگیا ہوگا کہ ہم لوگ ایصالِ ثواب سے منع نہیں کرتے بلکہ اس کی اصلاح کرتے ہیں۔ اور جس دن اصلاح عام ہوجائے گی اس دن ہم یہ بھی نہ کہیں گے مگر جب تک اصلاح نہ ہو اس وقت تک ہم ضرور لایجوز (۳) کہتے رہیں گے۔ رہی بدنامی سو بحمداللہ اشاعتِ دین میں ہم کو اس کی مطلق پرواہ نہیں۔ ہمارا وہ مذہب ہے ؎

(۱) اس کو کتنی تکلیف ہوگی (۲) یہ جسم کا قیدخانہ ٹوٹ جاتا ہے (۳) جائز نہیں کہتے رہیں گے

ساقیا برخیز و دردِہ جام را　　خاک برسرکن غمِ ایّام را
گرچہ بدنامی ست نزد عاقلاں　　مانمی خواہیم ننگ و نام را

''ساقی جام اٹھاؤ اور زمانے کے غم کو دور کرو اگرچہ اس میں بدنامی ہے لیکن ہم ننگ و نام کے خواہشمند ہیں''

غرض مقصود اس بیان سے حق ظاہر کرنا ہے اعتدال کے ساتھ اور اس قاعدہ کلیہ کو اگر آپ یاد رکھیں گے تو بہت سے اعمال میں آپ کو حد جواز و عدم جواز معلوم ہوجائے گی یہ تو اعتقاد کے متعلق تھا۔

گناہگار کو حقیر نہ سمجھو

ایک فرقہ مسلمانوں میں ایسا بھی ہے کہ اس کے عقائد و اعمال سب درست ہیں مگر یہ فرقہ اپنے تقدس(۱) پر مغرور اور نہایت متکبر ہے اور دوسرے مسلمانوں کو ذلیل و حقیر سمجھتا ہے۔ صاحبو! خوب سمجھ لو ؎

غافل مرد کہ مرکب مردان مردرا　　درسنگلاخِ بادیہ پیہابریدہ اند
نومید ہم مباش کہ ندانِ بادہ نوش　　تا کہ بیک خروش بمنزل رسیدہ اند

''غافل نہ رہو سب کو ایک جگہ چلنا ہے ان شراب نوشوں کی بھی منزل ہے'' اور

ع　　تا یار کرا خواہد و میلش بکہ باشد

اور صاحبو! تکبر کس پر کیجئے جو لوگ گنہگار ہیں ان کو بھی برا اور ذلیل نہیں سمجھ سکتے کسی کا قول ہے

گناہ آئینہ عفو و رحمت ست اے شیخ　　مبیں بہ چشم حقارت گناہگاراں را

(۱) اپنی پاکبازی پر مغرور ہے۔

''گناہ رحمت و بخشش کا آئینہ ہے اس لئے کسی کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھنا چاہیئے'' جن کو تم گنہگار سمجھتے ہو ان میں بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ وہ اعتقادی گمراہی میں مبتلا ہیں مگر ان کو کچھ بھی گناہ نہیں کیونکہ (مَنِ افْتٰی بِغَیْرِ عِلْمٍ فَاِنَّمَآ اِثْمُہٗ عَلٰی مَنِ افْتَاہُ) ''بغیر علم کے جس نے فتویٰ دیا تو اس کا گناہ پوچھنے والے پر ہوگا'' تو بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ ان کو کچھ بھی خبر نہیں اس کے ماسوا وہ شخص کس منہ سے دعویٰ کر سکتا ہے جو دوسرے مسلمانوں کو ذلیل سمجھے اور ان پر طعن کرے۔ حدیث کا مضمون ہے جس کو شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے ترجمہ کیا ہے۔

بنی آدم اعضائے یکدیگراند

''تو گویا تمام مسلمان مثل ایک تن کے ہیں'' اور جب یہ حالت ہے تو آپ کو مسلمانوں کے جہنم جانے سے صدمہ اور رنج ہونا چاہیئے اور ان کے بچانے کی تدابیر میں لگنا چاہیئے۔ ہم کو گنہگار مسلمانوں کے ساتھ وہی دلسوزی ہونی چاہیئے جو حضور ﷺ کو تھی۔

حضور ﷺ کا انداز تربیت

ایک مرتبہ حضور ﷺ کی خدمت میں ایک شخص آیا اور زنا کرنے کی اجازت چاہی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سن کر اس کو ڈانٹنا چاہا حضور ﷺ نے منع فرمایا اور نہایت اطمینان سے فرمایا کہ کیا تو اپنی ماں کے ساتھ ایسا کیا جانا پسند کرتا ہے؟ اس نے کہا نہیں، فرمایا بہن کے ساتھ کہا نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا بس جس سے تم ایسا فعل کرو گے وہ بھی کسی کی ماں کسی کی بہن ہوگی ۔

آنچہ برخود نہ پسندی بردیگراں مپسند

''جس کو تم خود پسند نہیں کرتے وہ دوسروں کے لئے بھی مت پسند کرو''

بس وہ سمجھ گیا' سبحان اللہ حضور ﷺ کے پاکیزہ اخلاق اور تربیت کی یہ حالت تھی اور کیوں نہ ہوتی بلکہ حضور ﷺ تو مخالفین اور کفار تک کی خاطر داری فرماتے تھے' کفار آپ کو ستاتے اور فرشتہ جبال(۱) آ کر عرض کرتا کہ اگر اجازت ہو تو میں ان سب کو پہاڑوں سے ہلاک کر دوں آپؐ فرماتے کہ دَعُوْنِیْ وَ قَوْمِیْ(۲)

کسی کو حقیر نہ سمجھو

تو جب حضور ﷺ کو کفار تک کی خاطر منظور تھی تو ہم میں آج کونسی بڑائی پیدا ہوگئی ہے کہ ہم اپنے مسلمان بھائیوں کو ذلیل سمجھیں اور ان سے تکبر سے پیش آئیں۔ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

شنیدم کہ مردانِ راہ خدا دل دشمناں ہم نکردند تنگ
ترا کے میسر شود ایں مقام کہ بادوستانت خلافست و جنگ(۳)

اور جب تم دوستوں سے لڑتے اور ان کو حقیر سمجھتے ہو تو کس منہ سے اپنے کو مسلمان کہتے ہو' نیز یہ امور خدا شناسی کے بھی مخالف ہیں۔ حضرت بہلولؒ کی حکایت ہے۔

چہ خوش گفت بہلولِ فرخندہ خوئے چو بگذشت بر عارفِ جنگ جوئے
گرایں مدعی دوست بشناختے بہ پیکار دشمن نہ پرداختے (۴)

---

(۱) پہاڑوں پر مامور فرشتہ آ کر عرض کرتا (۲) مجھے اور میری قوم کو چھوڑ دو (۳) میں نے سنا ہے کہ اللہ کے نیک بندے دشمنوں کو بھی تنگ دل نہیں کرتے تجھے یہ مقام بندگی کیسے حاصل ہوسکتا ہے جبکہ تو دوستوں سے برسر پیکار رہتا ہے (۴) بہلول دانا نے کتنی خوبصورت بات کہی جب وہ ایک ایسے عارف کے پاس سے گذرے جو لڑ رہا تھا کہ اگر یہ مدعی عرفان اپنے دوست یعنی اللہ کو پہچانتا تو دشمن سے لڑنے میں اپنا وقت نہ ضائع کرتا۔

صاحبو! کیا بھروسہ ہے کہ شام تک ہماری کیا حالت ہوگی اور چار دن کے بعد ہم کیا ہوں گے اگر قبر میں ایمان ساتھ گیا تو سب کچھ ہے ورنہ کچھ بھی نہیں، تو جب ہم کو اپنی حالت پر اطمینان نہیں موجودہ حالت کے اعتبار سے بھی کہ اس میں صدہا نقص (۱) ہیں اور آئندہ کے اعتبار سے بھی کہ زیادہ بگڑ جانے کا اندیشہ ہے تو سخت جہل کی بات ہے کہ ہم دوسروں پر ہنسیں اور ان کو ذلت کی نظر سے دیکھیں۔ بڑا پاگل ہے وہ شخص کہ اُس پر بیسیوں فوجداری کے مقدمات قائم ہیں اور وہ دوسرے دیوانی کے مقدمات والوں کو ذلیل سمجھتا اور برا بھلا کہتا پھرتا ہے تو اس وجہ سے اس فرق کو خصوصاً میں کہتا ہوں کہ اگرچہ تمہارے اعتقادات درست ہیں اور بظاہر اعمال بھی خراب نہیں معلوم ہوتے لیکن تم اپنی اندرونی حالت میں غور کرو اور اندرونی حالت کو اچھا نہ سمجھو۔

بعض فاسد خیالات

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مدار صرف عقائد پر ہے اگر عقائد درست کر لئے تو پھر نجات ہے مگر یہ بالکل غلط ہے، یہ صحیح ہے کہ عقائد درست ہونے سے کبھی نہ کبھی نجات ہوجائے گی لیکن محض عقائد پر نجات تام (۲) کا مدار سمجھنا غلط ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ صرف حضور ﷺ سے محبت کا دعویٰ کرنا کافی ہے۔ اگر حضور ﷺ سے محبت ہو تو نہ سوال جواب ہوگا نہ حساب کتاب ہوگا۔

باطنی اصلاح کی فکر

بعض لوگ ایسے ہیں کہ ان کا ظاہر درست ہے مگر دل مثل بھیڑیئے کے نہایت سخت ہے۔ ایک بزرگ ایسے لوگوں کی شان میں کہتے ہیں۔

(۱) خرابیاں (۲) مکمل نجات۔

از بروں چوں گورِ کافر پر حلل واندروں قہرِ خدائے عزوجل
از بروں طعنہ زنی بر با یزید وزدودنت تنگ میدارد یزید

''تمہارا ظاہر کافر کی قبر طرح پُر رونق ہے کہ کافر کی قبر اوپر سے بڑی ہی بارونق ہے لیکن اندر خدا کا قہر نازل ہورہا ہے اوپر سے تم بایزید پر طعنہ زنی کرتے ہو لیکن اندر کا یہ حال ہے کہ یزید بھی تمہارے حال سے شرمندہ ہے''

اس لئے ایسے لوگوں کو چاہئیے کہ باطن کی بھی فکر کریں جس کا طریق یہ ہے کہ ؎

قال را بگذارد مردِ حال شود پیشِ مردے کاملے پامال شود

''قال سے گذر کر حال ہوجاؤ اور ایک مرد کامل کے سامنے اپنے آپ کو مٹادو''

تواضع اختیار کرو

اصل علاج یہی ہے کہ اپنے کو بالکل مٹادے اور تواضع پوری اختیار کرے اور یہی تواضع جڑ ہے اتفاق کی بھی۔ آج کل لوگ اتفاق کی کوشش کرتے ہیں مگر اتفاق کی جو جڑ ہے اس کو بالکل چھوڑ رکھا ہے کیونکہ اتفاق ہمیشہ اس سے پیدا ہوتا ہے کہ ہر شخص اپنے کو دوسرے سے کم سمجھے اس سے کبھی اختلاف کی نوبت آ ہی نہیں سکتی۔ افسوس آج اس پاکیزہ خصلت کو بالکل چھوڑ دیا گیا بلکہ اس کے برخلاف خود داری اور تکبر کی تعلیم دی جاتی ہے۔ لباس میں ہمیشہ ایسی تواضع اختیار کی جاتی ہے کہ تمام مجمع بھر میں ہمیں کو ممتاز اور بڑا سمجھا جائے اور غضب یہ ہے کہ اپنی اولاد کو بھی ابتدا ہی سے اس وضع کا عادی بناتے ہیں۔ غرض ہر فعل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اپنے کو فرعون کا ہمسر(۱) سمجھتے ہیں پھر فرمایئے اتفاق کیونکر ممکن ہے؟ صاحبو! اگر

(۱) فرعون کے برابر۔

اتفاق کی واقعی تمنا ہے تو حضراتِ صوفیہ کے طرز پر چلنے کی کوشش کرو اور حضرات کے قدموں پر جا گرو پھر دیکھو کیسا اتفاق ہوتا ہے۔

ایک رئیس سے میری گفتگو ہوئی کہ اگر لڑکے سے کسی نوکر پر زیادتی ہوجائے تو اس کو سزا دینی چاہیئے یا نہیں۔ ان رئیس صاحب کی یہ رائے تھی کہ سزا نہ دینی چاہیئے کیونکہ سزا دینے سے بچہ کی طبیعت پست ہوجاتی ہے اور دماغ میں علوحوصلگی (۱) نہیں رہتی سمجھ میں نہیں آتا کہ علو کے کیا معنی ان لوگوں کے نزدیک ہیں۔ ایسے علو کو غلو کہا جائے تو بہتر ہے اور نہ کہیئے تب بھی ہمارا مقصود حاصل ہے کیونکہ یہ وہی علو ہے جس کو فرماتے ہیں: ﴿لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا﴾ (۲) وہ نہ زمین علو ہی چاہتے ہیں اور نہ فساد' دیکھ لیجئے کہ قرآن نے اس علو کو محمود بتلایا ہے یا مذموم بتلایا ہے تو کیونکر یہ علو مطلوب ہوسکتا ہے۔ صاحبو! قرآن شریف کو اگر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ قرآن شریف آجکل کے مخترع تمدن (۳) کی بالکل جڑ کاٹ رہا ہے۔

اصلاحِ اعمال کی فکر

غرض یہ ہے کہ اتفاق پیدا کرنے کی صورت یہ ہے کہ اپنے اعمال درست کرو اور جو لوگ اپنے اعمال درست کرچکے ہیں ان کے پاس آمد و رفت رکھو مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی سمجھ لو کہ بزرگوں کی خدمت میں اگر جاؤ تو نیت محض اپنی اصلاح کی کر کے جاؤ۔ بعض لوگ بزرگوں کی خدمت میں جاتے ہیں لیکن نیت ان کی محض وقت پورا کرنا اور دل بہلانا ہوتی ہے اور علّت اس کی یہ ہے کہ بزرگوں کے پاس جا کر دنیا بھر کے قصے' جھگڑے' اخبار شروع کر دیتے ہیں ایسے لوگ اپنا بھی نقصان

(۱) بلند حوصلگی (۲) سورۃ القصص: ۸۳ (۳) خودساختہ تمدن۔

کرتے ہیں اور ان بزرگ کا بھی وقت ضائع کرتے ہیں بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ وہ اصلاح ہی کی نیت سے جاتے ہیں لیکن عجلت پسند ہونے کی وجہ سے چاہتے ہیں کہ دو ہی دن میں ہماری اصلاح ہو جائے۔ اِن اِن لوگوں کی بالکل وہ مثال ہے (اَلْحَائِكُ اِذَا صَلّٰی یَوْمَیْنِ انْتَظَر الوَحْیَ) ''جولاہا جب دو دن نماز پڑھ لیتا ہے تو وحی کا انتظار کرنے لگتا ہے'' ایسے لوگوں کے جواب میں ہمارے حاجی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ یہ کیا کم فائدہ ہے کہ تم کو خدا کے نام لینے کی توفیق ہوگئی اور فرمایا کرتے تھے کہ بھائی اگر واقعی کچھ بھی حاصل نہ ہو تب بھی طلب نہ چھوڑنی چاہیئے ؎

یابم اورا یا نیابم جستجوئے میکنم   حاصل آید یا نیاید آرزوئے میکنم

''چاہے ہم کوئی چیز پائیں یا نہ پائیں تلاش رکھنی چاہیئے حاصل یہ ہوا کہ امید رکھنی چاہیئے''

طالبِ خدا کی یہ شان ہے کہ اگر سو (۱۰۰) دفعہ اس کو یہ آواز آئے کہ تو دوزخی ہے تب بھی مایوسی نہ ہو۔

ہر حال میں ذکر کرتے رہو

ایک بزرگ کے پاس شیطان آیا اور کہا کہ تم کو عبادت کرتے کتنے دن ہوگئے نہ پیام ہے نہ سلام پھر اس سے کیا نفع وہ معمول چھوڑ کر سو رہا خواب میں حضرت خضر علیہ السلام آئے اور وجہ پوچھی اس نے کہا کہ نہ لبیک ہے نہ پیک ہے پھر کیسے دل بڑھے۔ جواب ارشاد ہوا کہ ؎

گفت آں اللہ تو لبیک ماست   ویں نیاز وسوز و دردت پیک ماست

''انہوں نے کہا تمہارا اللہ ہماری لبیک ہے' تمہارا سوز و درد ہماری پکار ہے''

ایک بزرگ کی حکایت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے لکھی ہے کہ وہ ذکر کرنے بیٹھے تو یہ آواز آئی کہ تم کچھ بھی کرو یہاں کچھ بھی قبول نہیں مگر وہ پھر کام میں لگ گئے ان کے ایک مرید نے کہا کہ جب کچھ نفع ہی مرتب نہیں تو محنت سے کیا فائدہ بزرگ نے جواب دیا۔ بھائی اگر کوئی دوسرا ایسا ہوتا کہ میں خدا کو چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہو جاتا تو اعراض ممکن بھی تھا۔اب تو ایک یہ ہی در ہے قبول ہو یا نہ ہو۔

توانی ازاں دل بہ پرداختن　　کہ دانی کہ بے اوتواں ساختن

اس جواب پر رحمتِ خداوندی کو جوش آیا اور ارشاد ہوا کہ۔

قبولست گرچہ ہنر نیستت　　کہ جز ما پناہی دگر نیستت

''قبول ہے حالانکہ تمہارے پاس ہنر نہیں ہے اور ہمارے علاوہ کوئی جائے پناہ نہیں ہے''

غرض طالب کو ہر حال میں طلب میں مشغول رہنا چاہیئے اور یہ حالت ہونی چاہیئے کہ۔

اندریں رہ می تراش و می خراش　　تادمِ آخر دمے فارغ مباش

تادمِ آخر دمِ آخر بود　　کز عنایت باتوصاحب سربود

''ہمیشہ اصلاح کرتے رہو کسی وقت بھی فارغ نہ ہو اس لئے کہ یہ سانس آخری سانس ہے''۔

شیخ کامل کی پہچان

البتہ اس موقع پر اس کی ضرورت ہے کہ کامل کی کوئی پہچان بتلائی جائے کیونکہ آج کل بہت سے شیطان بھی لباسِ انسان میں ہیں۔مولانا رومؒ فرماتے ہیں۔

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست پس بہردستے نباید داد دست

''آج کل شیطان یعنی انسان کی صورت اختیار کئے ہوئے ہے پس ہوشیار رہنا چاہیئے اوراس کی علامتیں بتادینا چاہئیں''

(۱) تو پہچان اس کی یہ ہے کہ وہ شریعت کا ضروری علم رکھتا ہو۔

(۲) کسی کامل شیخ کی تربیت میں رہا ہو۔

(۳) اوراس سے اجازت تربیت حاصل ہو۔

(۴) خودشریعت پر عامل ہو۔

(۵) شریعت کے خلاف پر اصرار نہ کرتا ہو۔

(۶) سنت کا پورا پابند ہو۔

(۷) اپنے متعلقین پر شفقت کرتا ہو۔

(۸) احتساب میں کمی نہ کرتا ہوں۔

جس میں یہ سب باتیں جمع ہوں وہ کامل ہے اورایسے ہی لوگوں کی نسبت کہا ہے

یک زمانے صحبتِ با اولیا بہتر از صدسالہ طاعت بے ریا

''بزرگوں کی صحبت میں رہنا سو سال کی عبادت سے بہتر ہے وہ بھی ایسی عبادت جو بغیر ریاء کے کیجائے''

بحمدللہ سب طبقات کا بیان بقدرِضرورت ہوگیا اس سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ سبیل نجات (۱) صرف ایک ہے اوراس پر چلنے کا طریقہ یہ ہے جو مذکور ہوا۔اگر اس کو پیشِ نظر رکھا جائے گا تو انشاء اللہ بہت کارآمد ہے اگر چہ لذیذ نہیں۔

اب دعا کیجئے کہ خدا عمل کی توفیق دے۔آمین (۲)

(۱) طریقہ نجات (۲) اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی عمل کی توفیق عطا فرمائے آمین۔خلیل احمد تھانوی ۔

۷ رمضان المبارک ۱۴۲۸ھ

تقویم الزیغ

(طریقۂ نجات)

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱	خطبہ مأثورہ	۳
۲	تدبّر وتفکر کی ضرورت	۳
۳	تدبر کا فائدہ	۵
۴	وعظ سننے کی اصل غرض	۶
۵	اللہ کے راستے کی پہچان	۷
۶	صحیح طریقے کے امتیاز کا معیار	۸
۷	مسلمانوں میں مختلف فرقے	۹
۸	حکایت	۹
۹	قانون کی غلط تفسیر	۱۰
۱۰	احکامِ الٰہی کی عظمت کا فقدان	۱۱
۱۱	احکامِ الٰہی کی علت معلوم نہ ہو پھر بھی تسلیم کرو	۱۳
۱۲	احکامِ الٰہی کی علت دریافت کرنے کی وجوہ	۱۴
۱۳	طریق نجات کا معیار	۱۵
۱۴	صراطِ مستقیم کا مطلب	۱۵
۱۵	سائنس اور قرآن	۱۶
۱۶	سائنسی تحقیقات کا حال	۱۶

۱۷	آسمان کے عدم وجود پر فلاسفہ کے دلائل کا جواب	۱۸
۱۸	حدیث وفقہ بھی وحی کے حکم میں ہے	۱۹
۱۹	فقہ اور حدیث قرآن کی تفسیر ہیں	۲۰
۲۰	تفسیر بالرائے کی خرابی	۲۱
۲۱	تفسیر قرآن میں تحریف	۲۲
۲۲	سائنسی تحقیقات پر قرآنی آیات کا غلط انطباق	۲۳
۲۳	قرآن کریم طب روحانی اور تہذیب نفس کی کتاب ہے	۲۴
۲۴	قرآن میں سائنسی تحقیقات مذکور نہیں	۲۴
۲۵	سائنسی تحقیقات کو قرآن سے ثابت کرنے کا نقصان	۲۵
۲۶	غلط استدلال	۲۶
۲۷	قرآن فہمی کا اصول	۲۷
۲۸	قرآنی آیت سے غلط استدلال	۲۷
۲۹	شرعی احکام کے مستدلات	۲۸
۳۰	ہر حکم کا ثبوت قرآن سے طلب کرنا غلطی ہے	۲۹
۳۱	حدیث وفقہ سے ثابت احکام کا حکم	۳۰
۳۲	دو مرض عام ہیں	۳۱
۳۳	علماء کا حال	۳۲
۳۴	علماء کے کرنے کا کام	۳۳
۳۵	علماء پر اعتراض کی حقیقت	۳۴
۳۶	دو مؤثر طبقے	۳۵
۳۷	بعض علماء کا غلط طرز عمل	۳۶

۳۸	آج کل بعض علماء میں کم ہمتی کی وجہ	۳۷
۳۹	اہل علم میں استغناء ہوگا	۳۸
۴۰	جاہل واعظین	۳۹
۴۱	علماء کا اختلاف نقصان دہ نہیں	۴۰
۴۲	علماء کی پرکھ کا معیار	۴۱
۴۳	حضرت جنیدؒ کا مقام بلند	۴۱
۴۴	وہابی کون	۴۲
۴۵	ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کا اتباع واجب ہے	۴۳
۴۶	بدعت کی پہچان	۴۳
۴۷	مروجہ طریقہ پر ایصال ثواب کی برائی	۴۴
۴۸	ایصال ثواب میں کھانے پر سورتیں پڑھنا	۴۵
۴۹	ایصالِ ثواب ممنوع نہیں مروجہ طریق ممنوع ہے	۴۶
۵۰	گناہگار کو حقیر نہ سمجھو	۴۷
۵۱	حضور ﷺ کا اندازِ تربیت	۴۸
۵۲	کسی کو حقیر نہ سمجھو	۴۹
۵۳	بعض فاسد خیالات	۵۰
۵۴	باطنی اصلاح کی فکر	۵۰
۵۵	تواضع اختیار کرو	۵۱
۵۶	اصلاح اعمال کی فکر	۵۲
۵۷	ہر حال میں ذکر کرتے رہو	۵۳
۵۸	شیخ کامل کی پہچان	۵۴

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مطبوعات

ادارہ اشرف التحقیق

جامعہ دار العلوم الاسلامیہ

291۔ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور
فون نمبر 5422213-5422206

فہرست مطبوعات

قیمت	مطبوعات	نمبر شمار
۳۴۵	احکام القرآن (عربی) جلد اول منزل ثالث (سورہ یونس) ایک عظیم تفسیر جس میں فقہ حنفی کے مسائل کو قرآن کریم سے ثابت کیا گیا ہے	۱
۳۴۵	احکام القرآن (عربی) جلد ثانی منزل ثالث (سورہ ھود) ایک عظیم تفسیر جس میں فقہ حنفی کے مسائل کو قرآن کریم سے ثابت کیا گیا ہے	۲
۲۷۰	احکام القرآن (عربی) جلد ثالث منزل ثالث (یوسف تا نحل) ایک عظیم تفسیر جس میں فقہ حنفی کے مسائل کو قرآن کریم سے ثابت کیا گیا ہے	۳
۴۲۳	احکام القرآن (عربی) جلد رابع منزل ثانی (سورہ مائدہ) ایک عظیم تفسیر جس میں فقہ حنفی کے مسائل کو قرآن کریم سے ثابت کیا گیا ہے	۴

۵	احکام القرآن (عربی) جلد خامس منزل ثانی (سورہ مائدہ) ایک عظیم تفسیر جس میں فقہ حنفی کے مسائل کو قرآن کریم سے ثابت کیا گیا ہے	۳۹۰
۶	احکام القران (عربی) جلد سادس (سورۂ انعام واعراف) ایک عظیم تفسیر جس میں فقہ حنفی کے مسائل کو قرآن کریم سے ثابت کیا گیا ہے	۳۹۵
۷	احکام القرآن (عربی) جلد اول منزل رابع (سورۂ اسرا وکہف) ایک عظیم تفسیر جس میں فقہ حنفی کے مسائل کو قرآن کریم سے ثابت کیا گیا ہے	
۸	عکسِ جمیل سوانح حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ	۵۴۰
۹	مرات الآیات والحدیث قرآن آیات کی ترتیب پر حضرت تھانویؒ کے مواعظ کی مکمل فہرست	۷۲
۱۰	جلاء القلوب معترضین اسلام کے دندانِ شکن جوابات پر مشتمل حضرت تھانویؒ کا مشہور وعظ	۱۸

۱۱	**نماز کے اہم مسائل** نماز کے ضروری مسائل پر حضرت تھانویؒ کے ملفوظات سے منتخب مجموعہ	۱۱۴
۱۲	**خلافتِ راشدہ** خلافت راشدہ کے بارے میں حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کی نادر اور محدثانہ تحریر	۷۲
۱۳	**دلائل وجوبِ قربانی** کتاب وسنت اجماعِ صحابہ اور عقلی دلائل سے قربانی کے وجوب پر ایک محققانہ تصنیف	۶۹
۱۴	**مقالاتِ سیرت** مفتی جمیل احمد تھانویؒ کے چار عظیم مقالات کا مجموعہ	۹۰
۱۵	**مقالات قرآن** مفتی جمیل احمد تھانویؒ کے عظیم مقالات کا مجموعہ	۱۲۰
۱۶	**حیات طیبہ کے شب وروز** حضور ﷺ کی بیداری سے دوبارہ سونے تک کے مستند ترین مسنون اعمال	۱۵

۱۷	**حدود و تعزیرات** مفتی جمیل احمد تھانویؒ کے آٹھ مقالات کا مجموعہ	۱۹۲
۱۸	**مختصر قواعد میراث** مفتی جمیل احمد تھانویؒ	۲۷
۱۹	**بطاقۃ الدعوات** حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ	مفت

فہرست کتب زیرِ طبع

نمبر شمار	اسماءِ کتب
۱	احکام القرآن (عربی) منزل ثانی (سورہ انفال وتوبہ)
۲	احکام القرآن (عربی) منزل سابع (سورہ ق تا ختم القرآن)
۳	فہرست احکام القرآن علی ترتیب ابواب الفقہیہ
۴	مقالات فقہیہ
۵	کلام جمیل۔مفتی صاحبؒ کا شعری مجموعہ
۶	جمیل الفتاویٰ
۷	بہشتی مسائل۔حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ
۹	مقالات سیاسیہ۔حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ